357

نماز جنازہ

اور اس کے مسائل

مؤلف

مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، جامعہ سلفیہ، بنارس، الہند

نماز جنازہ

اور اس کے مسائل

مؤلف

مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ

ناشر

ادارۃ البحوث الاسلامیہ والدعوۃ والافتاء جامعہ سلفیہ، بنارس، الھند

سلسلۂ اشاعت	:	۳۵۵
نام کتاب	:	نمازِ جنازہ اور اس کے مسائل
نام مصنف	:	حضرت مولانا محمد رئیس ندوی حفظہ اللہ
صفحات	:	۱۵۵
تعداد	:	ایک ہزار (۱۰۰۰)
اشاعت اول	:	۲۱ر مئی ۲۰۰۰ء مطابق ۲۲ر صفر المظفر ۱۴۲۱ھ
مطبع	:	سلفیہ آفسیٹ پریس، وارانسی
ناشر	:	ادارۃ البحوث الاسلامیہ، جامعہ سلفیہ، بنارس

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ سلفیہ، ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

Maktaba Salafia, Reori Talab, Varanasi - 221010

۲- مکتبہ ترجمان ۴۱۱۶ اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶

Maktaba Tarjaman 4116 Urdu Bazar, Jama Masjid Delhi - 6

فہرست مضامین

PDF Compressor Free Version

PDF Compressor Free Version

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

حمد وصلاۃ کے بعد واضح ہو کہ جنازہ اور اس سے متعلق مسائل کی اہمیت مسلم ہے، اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ کتب حدیث وفقہ میں اس کا مستقل حصہ "کتاب الجنائز" کے عنوان سے موجود ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ ہر مسلمان اس مرحلہ کا سامنا کرتا ہے، غیر مسلم اس بات کا پابند نہیں کہ موت کے بعد اس کی آخری رسوم کی ادائیگی اسلام کی تعلیم کے مطابق ہو، البتہ مسلمان پورے طور پر اس بات کا پابند ہے کہ موت کے بعد اس کے تمام مراسم اسلام کے مطابق انجام دیئے جائیں، اور اس کا کفن دفن صحیح احادیث کے مطابق ہو۔ برصغیر کے علماء نے اسی لئے اردو زبان میں بھی جنازہ کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، یا دوسری طویل کتابوں میں اس کا باب قائم کیا ہے، شارح ترمذی محدث عالی مقام علامہ شیخ عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی "کتاب الجنائز" اس سلسلہ کی ایک عمدہ ومفید کتاب ہے جس سے تمام ضروری مسائل اور مروجہ بدعات وقبائح کا علم ہو جاتا ہے، اردو داں طبقہ پر علامہ مبارکپوری کا یہ احسان ہے کہ انہوں نے اردو زبان میں یہ کتاب ترتیب دی، اور میت سے متعلق مسائل کو کتب حدیث وفقہ کے حوالہ سے صاف طور پر بیان کردیا، جزاہ اللہ تعالی خیرا .

ایک مسلمان کی شان یہ بتائی گئی ہے کہ صحیح حدیث سے جو مسئلہ ثابت

ہوا سے کسی طرح کے چوں چرا کے بغیر قبول کرلے، لیکن افسوس ہے کہ مسلکی تقسیم کی وجہ سے ایسا نہیں ہوتا، انسان اپنے فقہی مسلک کی پابندی پر قائم رہتا ہے، اور صحیح حدیث پر عمل کو نظرانداز کردیتا ہے، نماز جنازہ غائبانہ اور اس سے متعلق متعدد مسائل میں احناف واہلحدیث کا اختلاف ہے، جن پر فریقین میں مباحثے بھی ہوئے ہیں، ان مسائل پر جامعہ سلفیہ کے استاد محترم مولانا محمد رئیس ندوی صاحب نے بھی قلم اٹھایا ہے، اور اپنی بصیرت، وسعت معلومات، قوت استدلال، کتاب وسنت کے مشتملات پر گہری نظر اور رواۃ واسانید پر مفصل بحث کے ذریعہ مذکورہ مسائل اور ان سے متعلقہ امور کو پوری طرح واضح کردیا ہے، ہمیں قوی امید ہے کہ اس تحریر سے ہر منصف مزاج انسان مستفید ہوگا، جنازہ ونماز جنازہ سے متعلق اس کی تمام ذہنی الجھنیں دور ہوجائیں گی، اور وہ محدثین کرام کے مسلک کو قبول کرلے گا، ان شاء اللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی کتاب کے مؤلف اور جامعہ سلفیہ کے تمام ذمہ داران وکارکنان کو اجر جزیل عطا فرمائے، اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے، انہ ولی التوفیق

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

۱۳ر صفر الخیر ۱۴۲۱ھ

ooo

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ کتاب و تمہید

الحمد لله ونحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله فان أحسن الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد صلى الله عليه وسلم وشر الأمور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار والصلوة والسلام على جميع الانبياء والمرسلين على اولهم آدم صفى الله وآخرهم محمد خاتم النبيين وسيد المرسلين رحمة للعالمين ارسله شاهدا مبشرا و نذيرا وهاديا وسراجا منيرا وعلى آله واصحابه وذرياته واتباعه الى يوم الدين اما بعد ـ فاعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم قال الله في كتابه القرآ ن العجيد " خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم (پ۱۱ سورة التوبة : ۱۰۳) وقال تعالى " سواء عليهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم ان الله لا يهدى القوم الفاسقين(پ ۲۸ سورة المنافقون : ٦) وقا ل تعالى "ولا تصل على احد منهم مات ابدا ولا تقم على قبره انهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون " (پ ۱۰ سورة التوبة: ٨٤) وقال جابر بن عبد الله الأنصارى رضى الله عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حين

مات النجاشی مات الیوم رجل صالح فقوموا وصلوا علی اخیکم اصحمة النجاشی رواہ البخاری فی صحیحہ باب موت النجاشی و رواہ مسلم وغیرھما من المحدثین

جو خطبہ ہم نے تحریر کیا ہے وہ نبی ﷺ سے ماثور و منقول ہے کہ آپؐ نکاح اور نماز جمعہ وغیرہ کے خطبہ میں اسی کو عام طور سے پڑھا کرتے تھے جس کا حاصل معنی یہ ہے کہ ہم مسلمان اللہ کی حمد و ثنا کرتے، اس سے مدد و مغفرت مانگتے، اس پر ایمان و بھروسہ رکھتے اس سے اپنے اعمال و نفوس کے شرور و فتن سے پناہ چاہتے ہیں وہی ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا ہے وہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے گمراہ کرے اسے کوئی راہ یاب نہیں کر سکتا اس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں محمد ﷺ اس کے بندے و رسول ہیں سب سے عمدہ بات کتاب اللہ کی باتیں ہیں اور سب سے بہتر قابل اتباع طریقہ طریق محمدی اور بدترین امور دین میں اختراع کردہ نئی چیزیں ہیں اور اس طرح کی تمام اختراعی چیزیں بدعت ہیں اور ہر بدعت ضلالت اور جہنم میں لے جانے والی ہے سب سے پہلے نبی آدم اور آخری نبی محمد ﷺ سمیت تمام نبیوں پر اللہ کا درود و سلام ہو نیز آپؐ کی آل و اصحاب و متبعین پر بھی۔ آپ "مومنوں کی نماز جنازہ پڑھئے اور ان کے لئے دعائے رحمت کیجئے کیونکہ مومنوں کے لئے آپؐ کی نماز جنازہ و دعا باعث سکون ہے۔ غیر مومن منافقوں کے لئے خواہ آپؐ دعائے استغفار کیجئے یا نہ کیجئے اللہ تعالی انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ خواہ ان منافقوں کے لئے آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کیجئے پھر بھی اللہ انہیں نہیں بخشے گا کیونکہ اللہ و رسول کے ساتھ کفر کرنے والے اور ایمان نہ لانے والوں کو اللہ تعالی کسی نبی و رسول کی دعائے استغفار سے معاف نہیں کرتا۔ آپؐ مر جانے والے منافقوں میں سے کسی ایک پر بھی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کے لئے دعا خوانی و زیارت کی غرض سے اس کی قبر کے پاس آکر وقوف کیجئے کیونکہ وہ تاحیات اللہ و رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور اسی حال

میں جب کہ وہ فاسق تھے فوت بھی ہوئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے کہ حبشہ کے حکمراں بادشاہ اصحمہ نجاشی فوت ہوئے تو ہمارے رسول ﷺ نے لوگوں سے مدینہ منورہ میں کہا کہ آج ایک صالح آدمی کا انتقال ہو گیا ہے لہذا تم لوگ اپنے اس مومن بھائی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو چنانچہ آپ کے اس حکم کی تعمیل آپ کی اقتدا میں موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھ کر کی گئی۔

مر جانے والے مومن کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

خطبہ کتاب میں ہماری ذکر کردہ پہلی والی آیت کا مفاد یہ ہے کہ مومنوں کی نماز جنازہ پڑھنے کا شریعت میں علی الاطلاق حکم دیا گیا ہے اس میں کسی قسم کی تخصیص واستثناء نہیں ہے اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ صدقہ وزکوۃ دینے والے مومنوں کے لئے صدقہ وزکوۃ دیتے وقت ان کی زندگی ہی میں دعائے خیر کی جائے یعنی کہ اس آیت سے دو شرعی احکام مستفاد ہوتے ہیں نیز یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ اور دعا سے مومنوں کو سکون حاصل ہوتا ہے۔

دوسری آیت کا مفاد یہ ہے کہ غیر مومن کے لئے خاص طور پر منافق کے لئے دعائے استغفار تک کرنے کی شریعت نے ممانعت کر دی ہے اور تیسری آیت کا بھی یہی مفاد ہے اور جب علی الاطلاق غیر مومن کے لئے ان دونوں آیات میں دعائے مغفرت کی ممانعت ہے اور دعائے مغفرت نماز جنازہ کا جزو اعظم ہے تو ظاہر ہے کہ دونوں آیت کا یہ بھی مفاد ہے کہ غیر مومن وغیر مسلم کے لئے نماز جنازہ مشروع نہیں بلکہ ممنوع ہے اور اس حکم الہی میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ خواہ منافق وغیر مسلم کے لئے کتنی ہی زیادہ دعائے مغفرت کی جائے حتی کہ رسول ونبی بھی اگر دعائے مغفرت کریں تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور یہ دعا نیز نماز جنازہ رائگاں ہوگی۔ چوتھی آیت کا مفاد یہ ہے کہ غیر مسلم پر نماز جنازہ مشروع نہیں نہ

اس کی قبر کے پاس جائے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا اور زیارت کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

ان آیات کے بعد مذکورہ شدہ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ ہمارے نبی ﷺ نے پڑھی ہے اس لئے ہمارے لئے بھی ہر فوت ہونے والے مسلمان و مومن آدمی کی غائبانہ نماز جنازہ اس وجہ سے مشروع ہے کہ اس سنت نبویہ پر عمل کرنے سے کوئی شرعی مانع کسی نص شرعی میں وارد نہیں ہوا ہے۔

نماز جنازہ بھی پنج گانہ نمازوں اور عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے

ہماری ذکر کردہ پہلی اور آخری والی آیات میں واضح طور پر نماز جنازہ کو اللہ تعالی نے نماز یعنی صلوۃ کہا ہے۔ صلوۃ کے معنی اگرچہ مصطلح نماز کے علاوہ محض دعا کے بھی ہیں جو نماز سے باہر کی جائے جس کے لئے مصطلح نماز کے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے مگر تمام کے تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ نماز جنازہ اس دعا کے معنی میں نہیں ہے جو نماز سے باہر کی جاتی ہے کہ اس کے لئے وضو و طہارت اور قبلہ رخ ہونا و تکبیر تحریمہ اور امام ہو تو امام کی متابعت لازم و ضروری ہو اس اجماع و اتفاق کے باوجود جو لوگ نماز جنازہ کو عام نمازوں سے مختلف محض دعا قرار دیتے ہیں وہ اپنے ہی اجماع و اتفاق سے خروج و انحراف کے مرتکب ہوتے ہیں کوئی شک نہیں کہ عام نمازیں بھی دعاؤں اور استغفار پر مشتمل ہوتی ہیں نمازوں کا عظیم ترین رکن سورہ فاتحہ بتصریح نبوی دعا ہی ہے سورہ فاتحہ کا ایک نام حدیث نبوی میں سورۃ الدعا بھی بتلایا گیا ہے اور تکبیر تحریمہ و قرأت فاتحہ کے درمیان ماثور دعاء دعائے مغفرت پر مشتمل ہے اسی طرح رکوع و سجود میں مغفرت پر مشتمل دعائیں احادیث نبویہ میں منقول ہیں اور دونوں سجدوں کے درمیان والے جلسہ میں بھی مغفرت وغیرہ پر مشتمل دعا منقول

ہے۔ نماز میں تشہد و درود بھی پوری دعا ہے اور درود کے بعد پڑھی جانے والی مشہور و معروف دعا "اللھم انی ظلمت نفسی الخ" بھی دعائے مغفرت ہے اس لئے یہ کہنا تو صحیح ہے کہ نماز بھی ایک طرح کی دعا ہے جس میں نماز جنازہ بھی شامل ہے لیکن دعاؤں پر مشتمل ہونے کی بنا پر نماز جنازہ کو عام نمازوں سے سب نماز سے خارج کوئی دوسری دعا (خواہ دعائے مغفرت ہو خواہ کوئی بھی دعا ہو) قرار دینا جس کے لئے عام نمازوں والی شرطوں اور واجبات کا ہونا ضروری نہ ہو بلا نص شرعی کسی طرح جائز نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں عام نمازوں کی طرح رکوع و سجود و قعدہ کا نہ ہونا نص شرعی سے ثابت ہے اس لئے نص شرعی سے ثابت ہونے والی باتوں کو اس عموم سے مستثنیٰ ماننا لازم ہے مگر جس چیز کا استثناء کسی نص شرعی سے ثابت نہیں اسے بھی مستثنیٰ کر دینا اپنی طرف سے شریعت میں نیا اضافہ ہے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی ہے بلکہ اس طرح کے اضافہ کو شریعت نے بہت مذموم و قبیح قرار دیا ہے اور اسے بدعت وضلالت نیز جہنم میں لے جانے والی چیز کہا ہے ہر مسلمان نصوص شرعیہ کے اتباع کا پابند ہے اتباع نصوص سے انحراف کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔

ہماری ذکر کردہ دوسری اور تیسری آیتوں میں جس دعائے مغفرت کی غیر مومن و غیر مسلم کے حق میں ممانعت کی گئی ہے اس کے مفہوم میں نماز جنازہ بھی داخل و شامل ہے جس کا مفہوم یہ بھی نکلتا ہے کہ مومن و مسلم کے لئے دعائے مغفرت مشروع ہے اگر چہ دعا کے لئے شرائط نماز کا ہونا ضروری نہیں لیکن اگر دعائے مغفرت نماز جنازہ میں شامل ہو تو اس کے لئے التزامی طور پر شرائط نماز کا ہونا ضروری ہے۔

جب نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے اور وہ عام نمازوں سے کوئی مختلف چیز نہیں تو اس میں وہ ساری چیزیں فرض و رکن و شرط اور واجب و مسنون و مستحب ہونگی جو عام

نمازوں میں ہوا کرتی ہیں اس عموم سے صرف وہ چیز ہی مستثنیٰ ہوگی جس کے مستثنیٰ ہونے پر الگ سے کوئی مستقل نص شرعی موجود ہو مثلاً عام نمازوں میں عام اہل علم کے یہاں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا رکن وفرض کی حیثیت رکھتا ہے بعض لوگ یعنی احناف اپنی اصطلاح وموقف کے مطابق اسے فرض ورکن سے مختلف صرف واجب مانتے ہیں اس لئے نماز جنازہ میں عام اہل علم کے اصول کے مطابق نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہونا چاہئے لیکن اپنے اصول سے لازم آنے والی اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے احناف نے کسی شرعی دلیل اور نص کے بغیر کہا کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مسنون ومستحب بھی نہیں ان میں سے بعض نے اتنی بات کہی کہ نماز کا جزو ہونے کی بناپر نہیں بلکہ محض دعا کی نیت سے اگر کوئی آدمی سورۃ فاتحہ پڑھنا چاہے تو اسے نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ نماز کا جزو ہونے کے اعتبار سے اسے پڑھنا مشروع نہیں۔ ان احناف کا یہ موقف اپنے اصول سے لازم آنے والی بات کے خلاف ہونے کے ساتھ شرعی دلیل اور شرعی نص سے خالی ہے اور اصول قیاس کے بھی خلاف ہے مگر اس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے اسی قدر اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

تنبیہ

عام نمازوں کو بعض خاص اوقات میں پڑھنے کی عمومی ممانعت شریعت میں آئی ہوئی ہے مثلاً غروب وطلوع آفتاب اور زوال سے پہلے عین دوپہر کا وقت نیز نماز فجر وعصر کے بعد سے لیکر طلوع وغروب آفتاب کا وقت۔ بعض اہل علم ان اوقات ممنوعہ میں مطلقاً نماز جنازہ پڑھنے کو منع کرتے ہیں بعض اجازت دیتے ہیں ہمارے نزدیک ضرورت شدیدہ کے بغیر ان اوقات ممنوعہ میں نماز جنازہ پڑھنے میں احتیاط کرنی چاہئے ہاں ضرورت کے موقع پر اجازت ہے۔ اس طرح کی اجازت عام نمازوں کے لئے بھی ہے مثلاً طلوع وغروب آفتاب یا زوال سے پہلے عین دوپہر میں اگر سورج

گرہن لگ گیا ہو تو اس وقت نماز کسوف پڑھنے کے لئے شریعت نے حکم دے رکھا ہے لہذا ممانعت والے حکم عام سے گرہن سے متعلق اس حکم خاص کو مستثنیٰ مان کر ان اوقات میں بھی نماز کسوف یعنی گرہن والی نماز پڑھی جائے یا کوئی بے ہوش آدمی اچھی خاصی دیر کے بعد ان اوقات میں ہوش میں آیا تو اسے ان اوقات ممنوعہ میں فرض نماز جو فوت ہو گئی ہیں پڑھ لینے کی اجازت ہے۔ اسی طرح ضرورت کے موقع پر نماز جنازہ کے معاملہ میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ بلیغ

اوپر یہ بات آچکی ہے کہ منافق و غیر مسلم کے لئے خواہ کتنی ہی دعائے مغفرت و دعائے رحمت کی جائے اور اس کی قبر کی زیارت کر کے اس کے حق میں دعا کی جائے خواہ نبی و رسول ہی اس کے حق میں دعاء کریں اس کی نماز جنازہ پڑھیں مگر اس بد قسمت کے لئے نبی و رسول و مومنین و اہل اسلام کی پڑھی ہوئی نماز جنازہ اور کی ہوئی دعائے مغفرت و دعائے رحمت و زیارت ذرہ برابر بھی مفید و نفع بخش نہیں ہو گی اس لئے ہر مسلمان پر لازم و ضروری ہے کہ اس طرح کے عقائد و نظریات اور اعمال واحوال اور طور و طریق سے اپنے کو دور رکھے جو اسے دائرہ ایمان و اسلام سے باہر کر دینے کے باعث ہوں مسلمان کو ہر قسم کے شرکیہ اور کفریہ عقیدہ و نظریہ اور قول و فعل و طریق سے دور رہنا لازم ہے ورنہ اس کے لئے کسی قسم کی دعا خواہ نبی و ولی ہی کرے نفع بخش نہ ہو گی جب یہ معاملہ ہے تو نبی و رسول و ولی وغیرہ کی شفاعت و سفارش بھی اس طرح کے لوگوں کے لئے کار آمد نہ ہو گی۔ جب شرک و کفر آدمی کو نص شرعی کے مطابق جہنم رسید کرنے والی ہے اس کے رہتے ہوئے کسی آدمی کا امید رکھنا کہ محشر میں اور قیامت میں نبی و رسول وغیرہ کی شفاعت و سفارش سے نفع ہو گا اور کام بنے گا ایک موہوم اور غلط قسم کی امید و توقع ہے ہر مسلمان کو اس طرح کی فضول و غیر مفید امید و توقع قائم کرنے سے بچنا چاہئے اور اپنا عقیدہ و نظریہ و عمل درست و صحیح رکھنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو صحیح معنوں میں مومن و مسلم اور متبع شریعت بنائے اور ایمان واسلام واتباع شریعت پر اپنے کئے ہوئے وعدۂ انعامات کے مطابق ان انعامات سے بہرہ ور کرے اور دنیا و آخرت میں کامیاب و باعزت بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

❀ ❀ ❀

موضوع کتاب

ہم نے اپنی اس زیر نظر کتاب یعنی "نماز جنازہ غائبانہ کی مشروعیت" میں اس بات کی مفصل ومدلل تحقیق وتنقیح پیش کی ہے کہ نصوص شرعیہ کے مطابق غائبانہ نماز جنازہ مشروع ومسنون ہے اس سلسلے میں ضمنی طور پر بعض دیگر مسائل بھی آگئے ہیں۔ اس کتاب میں بتلایا گیا ہے کہ نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے لئے میت کی لاش کا نمازیوں کے سامنے موجود ہونا ضروری نہیں ہے البتہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے اگر کچھ مسلمان اسے ایک بار پڑھ کر میت کو دفن کردیں تو دوسروں پر اسے پڑھنا فرض نہیں رہ جاتا ہے بلکہ صرف مسنون ومستحب رہتا ہے۔ آنے والے مباحث سے معلوم ہوگا کہ دلائل شرعیہ سے نماز جنازہ غائبانہ کا مشروع ہونا واضح طور پر ثابت ہے ان دلائل شرعیہ سے واقفیت رکھنے والوں کے لئے اس نماز کی مشروعیت ومسنونیت سے انکار وانحراف کی گنجائش نہیں ہے اور صحابہ وتابعین میں سے کسی سے اس کی مشروعیت ومسنونیت سے اختلاف وانکار بھی منقول نہیں ہے انکار کرنے والے بعد کے لوگ ہیں جو " المجتهد يصيب ويخطى " (مجتہد سے کچھ مسائل میں غلطی بھی ہو جایا کرتی ہے) کے اصول عام کے تحت غیر شعوری طور پر غلطی کا شکار ہوگئے اور اس نماز کی مشروعیت کا انکار کر بیٹھے اس طرح کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ قرآن مجید کے نصوص واضحہ اور احادیث نبویہ کے بیانات صریحہ سے پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ہے بلکہ اجازت ہی نہیں فرض ہے مگر حضرت عمر فاروق جیسے خلیفہ راشد اور حضرت ابن مسعود جیسے جلیل القدر فقیہ صحابی اس کے قائل نہ تھے ظاہر ہے کہ اس قسم کے مواقع پر صرف نصوص شرعیہ کی پیروی

کرنی چاہئے کیونکہ تیمم والے مذکورہ بالا مسئلہ میں پوری امت نے خلیفہ راشد عمر فاروق اور حضرت ابن مسعود کی بات ماننے کے بجائے نصوص کی پیروی کی ہے خود ارشاد فاروقی ہے کہ " لا تجعلوا خطأ الرای سنة للأمة " یعنی نصوص کے مقابلہ میں رائے واجتہاد کی غلطی کو دستور امت مت بنالیا کرو (احکام لابن حزم) ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ نصوص کے خلاف خلفائے راشدین اور صحابہ وتابعین کے اقوال پوری امت نے رد کردئے ہیں ان مثالوں میں سے کئی ایک کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "تنویر الآفاق" میں کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں اس مسئلہ پر حقیقت افروز تحقیق پیش کرنے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں حق وصواب کو قبول کرنے اور اس پر چلنے کی توفیق دے۔ راہ حق سے انحراف سے ہم کو محفوظ رکھے اور ہماری دینی وعلمی خدمات میں خلوص وللّٰہیت پیدا کرے اور انہیں قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ ہماری اس تحقیقی وعلمی خدمت میں جن لوگوں نے کسی طرح کی مدد کی ہے اللہ تعالیٰ انہیں دنیا وآخرت میں اجر جزیل سے نوازے۔ وما توفیقی الا باللہ وھو الموفق والمستعان۔

محمد رئیس ندوی جامعہ سلفیہ، بنارس

صفر المظفر۔ ستمبر ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ء

PDF Compressor Free Version

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے نماز جنازہ مشروع ہے

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نماز جنازہ ہمارے مورث اعلیٰ سیدنا حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام وعلی نبینا ﷺ کے زمانہ ہی سے مشروع ومروج ہے۔ چنانچہ امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے زیادات مسند احمد میں کہا ہے کہ:

" حدثنا هدبة بن خالد حدثنا حماد بن سلمة عن حميد الطويل عن الحسن البصرى عن عنى بن ضمرة السعدى قال رأيت شيخا بالمدينة فسألت عنه فقالوا هذا ابى بن كعب فقال ان آدم لما حضره الموت قال لبنيه يا بنى انى اشتهى من ثمار الجنة قال فذهبوا يطلبون له فاستقبلتهم الملائكة ومعهم اكفانه وحنوطه ومعهم الفوس والمساحى والمكاتل فقالوا له يا بنى آدم ما تريدون وما تطلبون او ما تريدون واين تطلبون قالوا ابونا مريض واشتهى من ثمار الجنة فقالوا لهم ارجعوا فقد قضى ابوكم فجاؤا فلما رأتهم حواء عرفتهم فلاذت بآدم فقال اليك عنى فانى انما اتيت من قبلك فخلى بينى وبين ملائكة ربى عز و جل فقبضوه وغسلوه وكفنوه وحنطوه وحفروا له ولحدوه ثم صلوا عليه وادخلوه قبره فوضعوه فى قبره ثم حثوا عليه ثم قالوا يا بنى آدم هذه سنتكم" یعنی عتی بن ضمرہ سعدی نے کہا کہ میں نے مدینہ منورہ میں ایک شیخ کو کلام کرتے ہوئے سنا تو ان کی بابت میں نے لوگوں سے دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ابی بن کعب صحابی ہیں۔ ابی بن کعب صحابی نے اپنے کلام کے دوران کہا کہ آدم علیہ الصلوۃ والسلام جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے

اپنے بیٹوں سے کہا کہ اے میرے بیٹو! مجھے جنت کے پھل کھانے کی اشتہاو خواہش ہو رہی ہے۔ حضرت آدم کے بیٹے موصوف کے لئے جنت کے پھل تلاش کرنے روانہ ہوئے۔ ان سے فرشتوں کی ملاقات ہوگئی۔ ان فرشتوں کے ساتھ حضرت آدم کا کفن اوران کی لاش ومیت کو لگانے والا عطر نیز بسولا، کدال وپھاوڑا وٹوکریاں بھی تھیں۔ ان فرشتوں نے اولاد آدم سے کہا کہ تم واپس چلو تمہارے باپ کی قضا اور موت کا وقت آگیا ہے۔ یہ لوگ آئے تو انہیں حضرت حوا علیہا الصلوۃ والسلام نے پہچان لیا وہ (حوا) حضرت آدم علیہ السلام سے لپٹ گئیں حضرت آدم نے موصوفہ حوا سے کہا کہ تم مجھ سے دور رہو تمہاری ہی وجہ سے میں مرتکب خطا ہو کر جنت سے زمین پر لایا گیا تم میرے اور میرے رب کے فرشتوں کے درمیان سے ہٹ جاؤ چنانچہ فرشتوں نے حضرت آدم کی روح قبض کی اور انہوں نے موصوف کو غسل دیا اور انہیں کفن پہنایا اور عطر لگایا ان کے لئے بغلی قبر کھودی پھر ان فرشتوں نے موصوف آدم علیہ الصلوۃ السلام کی نماز جنازہ پڑھی اور موصوف کو قبر کے اندر داخل کر دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی پھر اولاد آدم سے خطاب کرتے ہوئے فرشتوں نے کہا کہ میت کی تدفین و تجہیز کا تمہارے لئے یہی دستور قانون ہے" (مسند احمد ج ۵ صفحہ ۱۳۶ ومستدرک حاکم ج ۱ صفحہ ۳۸۵ وج ۲ صفحہ ۵۴۵ کتاب التاریخ)

حافظ ابن کثیرؒ نے اس حدیث کی سند کی بابت کہا "اسناد صحیح الیہ" یہ سند صحیح ہے (البدایۃ والنہایۃ ج ۱ صفحہ ۱۱۰)

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر یہ ابی بن کعب پر موقوف ہے یعنی کہ یہ ابی بن کعب کا قول (اثر ہے مگر معنوی طور پر اصول حدیث کے اعتبار سے یہ موقوف قول صحابی در حقیقت حدیث مرفوع یعنی حدیث نبوی کے حکم میں ہے کیونکہ بلا توقیف یعنی اعلام نبوی کے بغیر اپنے قیاس واجتہاد ورائے سے اس قسم کی کوئی بات کوئی صحابی نہیں کہہ سکتا اس لئے قواعد حدیث کے اعتبار سے حدیث مذکور

PDF Compressor Free Version

معنوی طور پر بدرجہ حدیث نبوی ہے۔ اس کے مرفوع حکمی ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابی بن کعب سے یہ روایت مرفوعا بھی مروی ہے یعنی کہ موصوف نے اسے رسول اللہ ﷺ سے نقل کر رکھا ہے۔ چنانچہ حافظ امام دار قطنی نے کہا کہ:

" حدثنا عبد الله بن محمد بن محمد بن عبد العزيز ثنا الفضل بن الصباح البزار حدثنا ابو عبيدة الحداد عن عثمان بن عبيدة الكاتب عن الحسن البصرى يمنى ضمرة السعدى عن ابى بن كعب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الملائكة صلت على آدم فكبرت عليه اربعا وقالوا هذه سنتكم يا بنى آدم " یعنی ابی بن کعب نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی پھر انہوں نے اولاد آدم سے کہا کہ تمہارے لئے تجہیز و تدفین کا یہی دستور ہے (سنن دار قطنی مع تعلیق المغنی ج ۱ صفحہ ۱۹۰)

مذکورہ بالا مرفوع حدیث اپنے شواہد و متابع سے مل کر باعتبار سند صحیح و معتبر ہے۔ اسے حضرت ابی سے روایت کرنے والے راوی عتی بن ضمرہ اور عتی سے روایت کرنے والے امام حسن بصری کا ثقہ و معتبر راوی ہونا مسلم ہے البتہ حسن بصری سے اس کے ناقل عثمان بن سعد الکاتب ابو بکر بصری تمیمی معلم مختلف فیہ ہیں۔ بعض نے ان پر ایسی تجریح کی ہے جو کالعدم ہے اور زیادہ تر ائمہ جرح و تعدیل نے موصوف کی توثیق کی ہے۔ امام حاکم نے موصوف کو " ثقة عزيز الحديث " کہا، امام ابو نعیم اور ابو جعفر سبتی نے مطلقا "ثقہ" کہا۔ امام ابن عدی نے کہا " حسن الحديث مع ضعفه يكتب حديثه " جس کا مطلب ہوا کہ متابع ملنے پر موصوف عثمان کی روایت امام ابن عدی کے نزدیک معتبر ہے۔ اور موصوف کی بابت امام ابو حاتم رازی کے قول "شیخ" کا بھی یہی مطلب ہے امام نسائی سے اگرچہ مروی ہے کہ " ليس بثقة " مگر ابن الہادی نے

کہا کہ " الصواب فی قولہ النسائی انہ لیس بالقوی وکذا نقلہ عن النسائی غیر واحد " اس سے معلوم ہوا کہ امام نسائی سے موصوف کی بابت منقول شدہ قول " لیس بثقۃ " کے بجائے " لیس بقوی " صحیح طور پر منقول ہے اور اس کا حاصل وہی ہے جو ابن عدی و ابو حاتم رازی کی بات کا حاصل ہے کہ متابع و شاہد کی موجودگی میں موصوف کی روایت معتبر ہے۔ موصوف کی بابت امام ابو زرعہ کے قول "لین" اور ابن معین کے قول " لیس بذاك " یا " ضعیف " اور ابو احمد حاکم کے قول " لیس بالمتین عندھم " کا بھی یہی مطلب ہے کہ متابع و شاھد کو موجودگی میں موصوف کی روایت معتبر ہے یہ سارے اقوال تہذیب التہذیب اور عام کتب رجال سے نقل کئے گئے ہیں۔ اور موصوف عثمان کے معنوی متابع و شواھد موجود ہیں ایک قوی شاھد تو ابی بن کعب سے اس کے عملے موقوفا مروی شدہ صحیح الاسناد روایت ہی ہے کیونکہ وہ معنوی طور پر حکما مرفوع کے درجہ میں ہے۔ التعلیق المغنی میں کہا کہ " اخرجہ الحاکم فی المستدرك وقال صحیح الاسناد الخ " (التعلیق المغنی ج... ۱۹۰) امام حاکم کی اس تصحیح سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے۔

امام دار قطنی نے حضرت انس بن مالک سے مرفوعا نقل کیا اور امام حاکم نے بھی (سنن دار قطنی ج ا صفحہ ۱۹۰ و مستدرک ج ا صفحہ ۳۸۵) اور امام حاکم نے اس کی تصحیح کی مگر حافظ ذھبی نے اس پر کلام کیا کہ اس کے راوی مبارک بن فضالہ لیس بحجہ" ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ عام لوگوں نے موصوف مبارک کی توثیق کی ہے خاص طور سے حسن بصری سے موصوف کی روایت کی تصحیح کی ہے اور حسن بصری سے موصوف کو اختصاص بھی حاصل تھا ان کی صحبت و شاگردی میں مبارک تیرہ سال رہے تھے البتہ موصوف مدلس تھے اور حسن بصری سے روایت مذکورہ بلا تصریح تحدیث معنعن نقل کی ہے مگر یہ علت تدلیس متابع و شواھد کی بنا پر دور ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے الفاظ

درج ذیل ہیں:

" کبرت الملائکة علی آدم اربعا وکبر ابو بکر علی النبی صلی اللہ علیه وسلم اربعا الحدیث" (سنن دار قطنی ج ا صفحہ ۱۹۰) یعنی فرشتوں نے حضرت آدم کی جو نماز جنازہ پڑھی اس کو چار تکبیروں کے ساتھ پڑھا اور حضرت ابو بکر صدیق نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ بھی اسی طرح پڑھی، حضرت عمر فاروق اور متعدد اساطین امت کی نماز جنازہ بھی اسی طرح پڑھی گئی۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث پر بحث

حضرت انس وابی بن کعب سے مروی مذکورہ بالا حدیث کی متابعت حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول شدہ مندرجہ ذیل حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے چنانچہ امام دار قطنی وغیرہ نے روایت کیا کہ:" قال الدار قطنی حدثنا محمد بن مخلد ثنا احمد بن الولید الفحام ویحیی بن زید بن یحیی الفزاری قالا حدثنا قیس بن بکر بن قیس ثنا الفرات بن سلمان الجزای عن میمون بن مهران عن ابن عباس قال آخر ما کبر النبی صلی اللہ علیه وسلم علی الجنازة اربعا الی ان قال وکبر الملائکة علی آدم اربعا " یعنی سند مذکور سے مروی ہے کہ ابن عباس نے کہا کہ نماز جنازہ آپ اپنی زندگی کے اواخر میں چار ہی تکبیروں سے پڑھنے لگے تھے یہ مرفوع حدیث ہے کہ فرشتون نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی تھیں"(سنن دار قطنی ج ا صفحہ ۱۹۱ و مستدرک حاکم کتاب التاریخ ج ۲ صفحہ ۵۴۵)

اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ معتبر ہیں صرف فرات بن سلمان جزری کا معاملہ قابل بحث و نظر ہے۔ سنن دار قطنی کے بیان سند میں موصوف کو فرات بن سلمان جزری کہا گیا ہے۔ جزری جزیرہ کی طرف نسبت ہے جس کا ایک شہر رقہ ہے (معجم البلدان مادہ رقہ) اس اعتبار سے فرات بن سلمان کو رقی بھی کہا جا سکتا ہے اور

فرات بن سلمان رقی کو ثقہ قرار دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے روایت مذکورہ معتبر ہونی چاہئے مگر اسے نقل کرنے کے بعد امام دار قطنی نے کہا کہ " إنما هو الفرات بن السائب هو متروك الحديث" یعنی یہ روایت فرات بن سلمان رقی جزری کے بجائے فرات بن السائب ابو سلیمان جزری سے مروی ہے جو متروک الحدیث ہے"۔ نیز اہل علم نے بھی فرات بن السائب کو متروک و مجروح وساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔

امام حاکم نے بھی کہا کہ:

" لست ممن يخفى ان الفرات ليس من شرط هذا الكتاب وانما اخرجته شاهدا "یعنی فرات کا حال مجھ پر مخفی نہیں یہ ہماری کتاب المستدرک کے شرائط کا راوی نہیں میں نے اس کی اس روایت کا ذکر بطور شاهد کیا ہے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ صفحہ ۵۴۵ و ج ۱ صفحہ ۳۸۵ کتاب الجنائز)

حافظ ابن کثیر کے ایک بیان کے مطابق یہ روایت ابن عساکر نے دوسری سند سے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میمون بن مھران سے اس روایت کی نقل میں محمد بن زیاد یشکری رقی کوفی نے فرات بن السائب کی متابعت کر رکھی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) مگر اس کی متابعت کرنے والا یہ محمد بن زیاد بھی متروک وساقط الاعتبار بلکہ کذاب ہے (عام کتب رجال ترجمہ محمد بن زیاد یشکری) میمون بن مھران سے محمد بن زیاد (یشکری) نے اسے نقل کیا ہے لیکن چونکہ اس روایت کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں اس لئے اپنے شواہد سے مل کر یہ روایت مجموعی طور پر معتبر قرار پاتی ہے میمون بن مھران سے محمد بن زیاد کی نقل کردہ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

" أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كبرت الملائكة على آدم اربعا وكبر ابو بكر على فاطمة اربعا وكبر عمر على ابى بكر اربعا الحديث " یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز

جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی تھی الحدیث"

حافظ ابن کثیرؒ کے بیان کے مطابق حافظ ابن عسا کر نے کہا کہ روایت مذکورہ میمون بن مہران کے علاوہ دوسری سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر سے بھی مروی ہے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) ظاہر ہے کہ یہ ساری روایات باہم ایک دوسرے کے ساتھ ملکر قوی ومعتبر وصحیح قرار پاتی ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی اور اس موقع پر موصوف کی نماز جنازہ میں شریک ہونے والے فرشتون نے اولاد آدم سے کہا تھا کہ تمہارے لئے میت کی تجہیز و تکفین و تدفین کے سلسلے میں تمہارے واسطے مشروع کردہ دستور الٰہی میں یہ بھی داخل ہے کہ میت کی نماز جنازہ بھی پڑھو۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم سے لیکر تا قیامت اہل اسلام کے یہاں نماز جنازہ کا رواج و دستور رہا ہے اور رہے گا۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لیکر حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت سے پہلے تک کے طویل و عریض زمانہ میں تمام انسان ملت واحدہ یعنی دین اسلام پر قائم تھے اور لوگوں میں سے کوئی بھی مذہب توحید سے منحرف ہو کر راہ شرک پر نہیں لگا تھا۔ بقول حافظ ابن کثیرؒ صحیح البخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت آدم و نوح کے درمیان والی صدیوں کے سبھی لوگ اسلام اور مذہب توحید پر قائم تھے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۸ بحوالہ صحیح البخاری والمستدرک علی الصحیحین للحاکم کتاب التاریخ ج ۲ صفحہ ۵۴۶)

اس کا مفاد یہ ہے کہ اسلام اور توحید سے انحراف اور بت پرستی سے لگاؤ لوگوں میں حضرت نوح کی بعثت سے پہلے آیا اور اس فساد کی اصلاح کے لئے سب سے پہلے حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام مبعوث کئے گئے اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ بعثت نوح سے پہلے تمام لوگ میت پر نماز جنازہ پڑھ کر اس کی تدفین کرتے تھے اور تجہیز

وتدفین کے اس اسلامی دستور سے انحراف کچھ لوگوں میں بعثت نوح سے کچھ پہلے آیا۔ اور توحید واسلام سے منحرف ہونے والوں نے بہت سارے امور کی طرح میت کی تجہیز وتدفین کے معاملہ میں بھی شیطانی تلبیس کے شکار ہو کر دوسرے قسم کے طریق تجہیز وتدفین پر گامزن ہو گئے۔

حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا مقام تدفین

واضح طور پر معتبر ذرائع سے اس بات کی تعیین نہیں ہو سکتی کہ ہماری زمین پر دفن کئے جانے والے سب سے پہلے رسول ونبی اور ہمارے مورث اعلی حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کہاں فوت ہوئے اور کہاں دفن ہوئے اس سلسلے میں وارد شدہ مختلف روایات میں سے کوئی معتبر نہیں معلوم ہوتی مگر تاریخ طبری میں اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی سکونت اور بود وباش ہمارے ہندوستان کے مشہور جزیرہ سراندیپ یعنی سیلون لنکا میں تھی اور موصوف وہیں جنت سے نکل کر اترے بھی تھے اور مستقل طور پر وہی ان کی سکونت گاہ تھی حج وغیرہ کے سلسلے میں سفر پر بھی جاتے رہے (تاریخ ابن جریر طبری تذکرہ آدم) اس سے بظاہر مستفاد ہوتا ہے کہ ہمارا ملک ہندوستان ہی ہمارے مورث اعلی آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا مدفن بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ:

" اختلفوا فی موضع دفنه فالمشهور انه دفن عند الجبل الذی اهبط منه فی الهند الخ" یعنی موصوف آدم کے مدفن میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ وہ کہاں ہے اس سلسلے میں مشہور قول یہ ہے کہ موصوف ہندوستان میں اس پہاڑ کے پاس دفن کئے گئے جہاں وہ جنت سے زمین پر اترے تھے (البدایہ والنہایہ ج ۱ صفحہ ۱۱۰) معلوم ہوا کہ قول مشہور کے مطابق پہلی مرتبہ جو نماز جنازہ روئے زمین پر پڑھی گئی وہ ہمارے ملک ہندوستان میں پڑھی گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اہل اسلام کے نقطہ نظر سے جو ملک اہل اسلام سمیت تمام ہی انسانوں کے مورث اعلی کا موطن ومسکن اور مدفن

ہے اسی ملک پر تسلط پا جانے والے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کا وطن نہیں ہے وہ باہر سے حملہ آور ہو کر اس ملک میں داخل ہوئے ہیں نیز بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کو طریق اسلام کے مطابق مردوں کی تدفین کرنے کے بجائے ہندوؤں کی طرح نذر آتش کر دینا چاہئے۔ فالی اللہ المشتکی۔

نماز جنازہ سے متعلق حکم قرآنی کب نازل ہوا؟

مذکورہ بالا تفصیل سے اگرچہ یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے وقت سے نماز جنازہ مشروع ہے اور اسی زمانے سے نماز جنازہ پڑھے جانے کا دستور رائج ہے مگر اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ آخری نبی جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ سے متعلق کوئی آیت و حکم قرآن مجید میں ۹ھ سے پہلے نازل نہیں ہوا اگرچہ یہ بہت واضح بات ہے کہ تواتر کے ساتھ مروی و منقول ہونے والی احادیث سے ثابت ہے کہ اس سلسلے میں حکم قرآن کے نزول سے پہلے ہمارے نبی ﷺ اور عام اہل اسلام میت پر نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ ہم بنظر اختصار اس موضوع پر کوئی تفصیلی بحث پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں مگر مختصراً یہ اشارہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں کہ نماز جنازہ سے متعلق قرآن مجید میں نازل شدہ حکم الٰہی غزوۂ تبوک کے بعد یعنی ۹ھ میں اواخر حیات نبوی میں نازل ہوا اور اسی سال رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا اور اس موقع پر قرآن مجید میں صراحت کی گئی کہ مومنوں کی نماز جنازہ تو آپؐ ضرور پڑھا کریں مگر منافقوں کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں۔ اس قرآنی بیان سے التزامی طور پر بہر حال یہ ثابت ہوتا ہے کہ وفات عبداللہ بن ابی کے پہلے نماز جنازہ مشروع تھی اور آپؐ نیز عام صحابہ کرام و اہل اسلام میت پر نماز جنازہ پڑھتے پھر اسے قبر میں دفن کرتے تھے جیسا کہ عام کتب حدیث و تاریخ و تفسیر میں پوری صراحت سے مفصل طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

بعض لوگوں نے کہہ رکھا ہے کہ ہجرت نبوی سے کچھ پہلے آپؐ کی زوجہ

مطہرہ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ فوت ہوئی تھیں اور چونکہ اس وقت نماز جنازہ آپؐ کے لئے مشروع نہیں کی گئی تھی اس لئے موصوفہ پر نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی موصوفہ کو آپؐ نے دفن کر دیا تھا۔ مگر ہم نے اس سلسلے میں تحقیقی جائزہ اپنی کتاب "سیرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ" میں لیا ہے اور واضح کیا ہے کہ موصوفہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ معلوم ہے کہ بہت سارے احکام شرعیہ کے معاملہ میں یہ ہوا کہ وہ مشروع تو پہلے سے تھے مگر ان کے سلسلے میں نزول قرآن بعد میں ہوا اس کی مثالوں میں ایک واضح مثال وضو کی ہے وہ نماز فرض ہونے کے ساتھ ہی مشروع ہو گیا تھا اور نماز بعثت نبوی ہی کے ساتھ فرض قرار پا گئی تھی اگرچہ پنج گانہ نماز بعثت نبوی کے کئی سال بعد معراج نبوی کے موقع پر فرض کی گئی مگر وضو سے متعلق حکم قرآن مجید میں ہجرت نبوی کے کئی سال بعد بلکہ اواخر حیات نبوی میں نازل ہوا۔ سورۃ مائدہ، نساء میں وضو سے متعلق آیات وارد ہیں۔

الحاصل یہ بات بہت سارے احکام شرعیہ اور امور دینیہ کے سلسلے میں واقع ہوئی ہے کہ شریعت میں ان پر عمل کا حکم پہلے سے موجود تھا مگر قرآن مجید میں ان سے متعلق آیات بعد میں نازل ہوئی ہیں۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے

یہ معلوم ہے کہ پنجگانہ فرض نمازیں پوری دنیا کے تمام مکلف انسانوں پر فرض ہیں یعنی کہ ہر مکلف انسان کو پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کا ادا کرنا لازم ہے مگر نماز جنازہ کے لئے اس طرح کا حکم تمام دنیا کے تمام ہی مکلف انسانوں کو دیا جانا تکلیف مالا یطاق (یعنی ایسی ذمہ داری جس سے عہدہ برا ہونا انسانی طاقت سے باہر ہے) ہوگا۔ یہ ممکن نہیں کہ دنیا میں کہیں بھی فوت ہونے والے انسان کی نماز جنازہ میں پوری دنیا کے تمام ہی لوگ شریک ہو سکیں بنابریں شریعت نے نماز جنازہ کو فرض کفایہ قرار دیا

ہے اگر اسے کچھ لوگ ادا کر لیں تو دوسرے تمام لوگوں سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

حدیث حذیفہ بن اسید کا تذکرہ

مشہور معروف صحابی حضرت حذیفہ بن اسید نے کہا:

" ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بلغه موت النجاشي فقال لاصحابه ان اخاكم النجاشي قد مات فمن اراد ان يصلى عليه فليصل عليه فتوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم نحو الجنة فكبر عليه اربعا ۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کی خبر موت پہنچی تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے مومن بھائی نجاشی کی موت ہو گئی لہذا تم میں سے جو لوگ چاہیں وہ ان کی نماز جنازہ میں شریک ہوں یہ فرما کر آپؐ جنت البقیع کی طرف متوجہ ہوئے اور وہاں جنازہ کی نماز پڑھی جانے والی جگہ میں آپؐ نے لوگوں کو نجاشی کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس نماز میں آپؐ نے چار تکبیریں کہیں " (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۳۰۴۸ ج ۳ صفحہ ۱۹۹ قال في مجمع الزوائد رواه ابن ماجه والطبراني واسناده حسن ج ۳ صفحہ ۳۹)

اپنی معجم کبیر میں امام طبرانی نے مذکورہ بالا حدیث کی یہ سند بیان کی ہے:

" حدثنا عبدان بن احمد ثنا ابراهيم بن المستمر العروفي ح وثنا محمد بن خالد الراسبي ثنا مهلب بن العلاء ثنا شعيب بن بيان ثنا عمران القطان عن قتادة عن ابي الطفيل عن حذيفة بن اسيد الخ "۔

امام ہیثمی نے اگرچہ مجمع الزوائد میں کہا ہے کہ امام طبرانی کے علاوہ روایت مذکورہ کو امام ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے مگر سنن ابن ماجہ میں روایت مذکورہ ان الفاظ میں نہیں ہے " فمن اراد ان يصلى عليه " کے الفاظ سنن ابن ماجہ میں نہیں یہ الفاظ ہم کو صرف طبرانی کی معجم کبیر ہی میں نظر آئے۔ امام ہیثمی نے اس کی سند کو حسن

"PDF Compressor Free Version"

کہاہے اور ہم بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسکی سند حسن ہے جو قابل اعتبار ہوا کرتی ہے۔ امام طبرانی نے حدیث مذکور اپنے دو اساتذہ عبدان بن احمد اور محمد بن خالد راسبی سے نقل کی ہے۔ عبدان شیخ طبرانی کا لقب ہے موصوف کا نام عبد اللہ بن احمد بن موسیٰ بن زیاد ابو محمد اھوازی الجوالیقی ہے جو ۳۰۶ھ میں فوت ہوئے موصوف عبد اللہ بن احمد پختہ کار ثقہ محدث تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی موصوف ہیں (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ صفحہ ۱۶۸، تاریخ بغداد للخطیب ج ۹ صفحہ ۳۷۶ و تذکرہ الحفاظ ج ۲ صفحہ ۶۸۸) ظاہر ہے کہ موصوف عبدان نے روایت مذکورہ اپنی کتابون میں سے کسی کتاب میں بھی ضرور نقل کرر کھی ہو گی۔

یہ حدیث امام طبرانی نے اپنے جس دوسرے استاذ سے نقل کی ہے وہ محمد بن خالد راسبی نبلی ہیں ان کا تفصیلی ترجمہ ہم کو نہیں ملا مگر امام طبرانی کی کتاب الدعاة حدیث نمبر ۱۸۸۵ صفحہ ۱۶۴۱ کی تعلیق و حاشیہ مین راسبی موصوف کی ایک روایت کردہ حدیث کی بابت کہا کہ " رجال اسناده ثقات والحديث صحيح " یعنی اس سند کے تمام رواۃ بشمول محمد بن خالد راسبی ثقہ ہیں اور یہ سند صحیح ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف محمد بن خالد راسبی ثقہ راوی ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ امام طبرانی نے روایت مذکورہ اپنے دو اساتذہ سے نقل کی ہے یعنی کہ اس روایت کی نقل میں دو ثقہ رواۃ ایک دوسرے کی توثیق کر رہے ہیں۔ ان دونوں ثقہ رواۃ میں سے اول الذکر عبدان نے یہ حدیث بیک واسطہ مھلب بن العلاء سے اور موخر الذکر محمد بن خالد راسبی نے بلاواسطہ براہ راست مھلب سے روایت کی ہے عبدان نے جس واسطہ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ ابراہیم بن المستمر العروقی ھذلی ناجی ابو اسحاق بصری ہیں یہ ثقہ وصدوق راوی ہیں امام نسائی نے موصوف کو "صدوق" اور "لیس بہ باس" کہا اور امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا (تہذیب التہذیب ترجمہ ابراہیم بن المستمر) ان دونوں ثقہ رواۃ یعنی ابراہیم بن المستمر اور محمد بن خالد راسبی نے یہ حدیث مھلب بن العلاء

سے نقل کی جن کا ترجمہ ہمیں نہیں مل سکا مگر ان کی روایت کردہ حدیث کو امام ھیثمی کا حسن کہنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ موصوف مہلب حسن الحدیث درجہ کے ثقہ راوی ہیں اور حافظ ابن حبان اور ان جیسے لوگوں کے اصول کے مطابق موصوف مہلب ثقہ ہیں۔

مہلب نے یہ حدیث شعیب بن بنان سے نقل کی انہیں میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے "صدوق" کہا ہے اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے موصوف کو "صدوق یخطئی" کہا۔ حافظ ابن حبان نے موصوف کو ثقات میں ذکر کیا بعض نے کلام کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف کی روایت صحیح کے بجائے حسن ہوتی ہے اور متابع وشاہد سے ملا کر صحیح ہو جاتی ہے۔

شعیب نے یہ روایت عمران ابو العدام قطان سے نقل کیا جو ثقہ وصدوق ہیں (عام کتب رجال) عمران نے اسے قتادہ سے نقل کیا جو مشہور و معروف ثقہ امام ہیں اور قتادہ نے اسے ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیثی متوفی ۱۱۰ھ سے نقل کیا جو مشہور و معروف صحابی ہیں اور سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی یہی ہیں۔ موصوف ابو الطفیل نے یہ حدیث مشہور صحابی حذیفہ بن اسید سے نقل کی ہے۔ یہ روایت جیسا کہ امام ھیثمی نے کہا حسن ہے اور اس کے معنوی متابع و شواھد موجود ہیں۔ اس لئے حسن سے ترقی کر کے یہ حدیث صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

حدیث حذیفہ سے مستنبط ہونے والے مسائل

اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میت مذکور (نجاشی) کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی ساتھ آپؐ نے یہ صراحت کر دی تھی کہ نجاشی کی جو نماز جنازہ ابھی پڑھی جانے والی ہے اس میں جن لوگوں کا ارادہ ہو وہ شریک ہوں اور نماز جنازہ پڑھیں لیکن جو لوگ نہ پڑھنا چاہیں انہیں اس کا پڑھنا لازم نہیں کیونکہ دوسروں کے پڑھ لینے سے اس نماز کی ذمہ داری باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے

گی چونکہ آپؐ یہ نماز پڑھنے کا عزم رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ بہت سارے لوگ آپ کے ساتھ اس نماز میں شریک ہوں گے اس لئے آپؐ کو یقین تھا کہ یہ نماز بہت سارے لوگ تو پڑھ ہی لیں گے اس لئے جو لوگ نہ چاہیں ان پر اس کا پڑھنا لازم اور فرض نہیں ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ نماز جنازہ شریعت کی نظر میں فرض کفایہ ہے جسے اگر کچھ لوگ ادا کرلیں تو دوسروں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جائے گی۔

اس حدیث میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپؐ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے کہا کہ اپنے بھائی کی نماز جنازہ پڑھو جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے فوت ہونے والے پر بھائی کی نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے کیونکہ ہر مسلمان دوسرے تمام مسلمانوں کا بھائی ہے جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ " انما المومنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم " (پ۲۶ سورۃ الحجرات : ۱۰) جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شرعاً ہر مومن و مسلم کو دوسرے مومن و مسلم کا بھائی قرار دیا ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جس مرنے والے پر ہمارے اعتبار سے شرعاً فقط "مومن" کا اطلاق ہو سکتا ہو اور اسے "مومن" کہا جا سکے اس کی نماز جنازہ کا پڑھنا مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ معلوم ہے کہ شرک و کفر کے علاوہ خواہ کتنے ہی بڑے معاصی و گناہ ہوں ان کا ارتکاب اگرچہ بہت بڑا جرم ہے اور ان کے ارتکاب سے شریعت کی نظر میں مرتکب آدمی فاسق و فاجر کے وصف سے متصف ہو جاتا ہے مگر اس کے باوجود اس سے "مومن" کا وصف زائل نہیں ہوتا اس لئے ہر مومن کی نماز جنازہ خواہ وہ فاسق و فاجر و مجرم ہو پڑھنی تمام لوگوں پر فرض کفایہ ہے لیکن چونکہ تھوڑے سے لوگوں کے پڑھ لینے سے بھی تمام لوگوں کے اوپر سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے اس لئے دین کے سربراہ قسم کے مقتدا و پیشوا اور علماء قائدین خود اس طرح کے مجرمین کی نماز جنازہ نہ پڑھیں تاکہ دین دار طبقہ کیطرف سے ایسے مجرم کے ساتھ اس بے توجہی کو دیکھ کر لوگوں کو عبرت و موعظت اور فسق و فجور میں گرفتار لوگوں کو احساس ذلت و ندامت اور

غلط روی سے باز رہنے کا خیال پیدا ہو۔ اس طرح کے مردہ کے ورثہ، اقرباء اور متعلقین تو نماز جنازہ پڑھ لیں تاکہ یہ فریضہ پوری امت کی طرف سے ادا ہو جائے مگر مذکورہ بالا قسم کی دینی و شرعی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام اہل اسلام اس طرح کے آدمی کی نماز جنازہ و تجہیز و تدفین میں شریک نہ ہوں۔ ہمارے رسول ﷺ اس طرح کی باتوں کو ملحوظ رکھتے تھے تاکہ لوگوں کو آپؐ کے طرز عمل سے عبرت و ہدایت حاصل ہو چنانچہ کئی آدمیوں کی بابت آپؐ نے لوگوں سے کہہ دیا کہ تم لوگ تو ان کی نماز جنازہ پڑھ لو مگر میں نہیں پڑھوں گا کیونکہ اس کے اندر فلاں فلاں وصف پایا جاتا رہا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل کے بجائے ہم اسی اشارہ کو کافی سمجھتے ہیں۔

عام اہل علم نے حضرت عمر بن خطابؓ کے روکنے کے باوجود رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول کی نماز جنازہ جو آپؐ نے پڑھی اسکی توجیہ میں یہ بات کہی ہے کہ یہ شخص بظاہر مسلمان تھا اور ایسی کوئی بات واضح طور پر آپؐ کے سامنے نہیں تھی جس کی بنا پر اس پر لفظ مسلمان کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو اس لئے آپؐ نے اس کی نماز جنازہ اس بنیاد پر پڑھ دی کہ اس کے پہلے بالصراحت اس طرح کا نفاق رکھنے والوں پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی ہدایت آپؐ کو منجانب اللہ نہیں دی گئی تھی۔

حذیفہ بن اسید والی حدیث مذکور معنوی طور پر متواتر سند سے منقول ہے اور اس کا یہ مفاد ہے کہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے کے لئے نماز جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے اس میت کی لاش کا موجود و حاضر ہونا ضروری نہیں ہے جس کی نماز جنازہ لوگوں کو پڑھنی ہے۔ ہماری اس کتاب کا اصل موضوع یہی ہے یعنی کہ غائبانہ نماز جنازہ کا دلائل شرعیہ سے اثبات۔

امام ابن حزم نے کہا ہے کہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ اتنی واضح دلیل غائبانہ نماز جنازہ کے لئے ہے جس کے خلاف کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔

نماز جنازہ کے لئے جماعت ہونا ضروری ہے

نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ آپؐ نے جماعت کے ساتھ پڑھی تھی اور جماعت کے بغیر کسی نماز جنازہ کا پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں ہے نہ آپؐ کے بعد صحابہ و تابعین اور اسلاف میں سے ثابت ہے۔ البتہ یہ ثابت ہے کہ عمیر بن ابی طلحہ نامی صحابی کی نماز جنازہ آپؐ نے اپنے علاوہ صرف دو آدمیوں کے ساتھ پڑھی۔

" ان طلحة دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم الى عمرو بن ابى طلحة حين توفى فاتاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى عليه فى منزلهم فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان ابو طلحة وراءه وام سليم وراءه ولم يكن معهم غيرهم " یعنی ابو طلحہ نے اپنے فوت ہو جانے والے لڑکے عمیر کی وفات کے وقت آپ کو بلایا تو آپؐ ان کے یہاں گئے اور ان کے گھر ہی عمیر کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھی چنانچہ نماز میں امام کی حیثیت سے آپؐ آگے تھے اور ابو طلحہ اکیلے آپؐ کے پیچھے تھے اور ان کے پیچھے ان کی اہلیہ ام سلیم والدۂ انس بن مالک تھیں ان تین افراد کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی اس نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ (مستدرک حاکم ج ا صفحہ ۳۶۵ و سنن بیہقی ج ۴ صفحہ ۳۰، ۳۱، مجمع الزوائد ج ۳ صفحہ ۳۴ و معجم کبیر للطبرانی قال الهيثمى رجاله رجال الصحيح و قال الحافظ ابن حجر فى الاصابة فى ترجمة عمرو بن طلحة سنده صحيح ومصنف ابن ابى شيبة ج ۳ ص۲۸۸)

مذکورہ بالا حدیث صحیح ہے اور اس معنی و مفہوم کی حدیث حضرت انس سے بھی مروی ہے (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱) اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں امام کے علاوہ اگر صرف ایک مرد نماز جنازہ پڑھنے والا موجود ہو تو وہ عام نمازوں کی طرح امام کے بغل میں بائیں طرف نہیں کھڑا ہوگا بلکہ وہ امام کے پیچھے تنہا کھڑا ہوگا۔
مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ عورت بھی پڑھ سکتی ہے چنانچہ

اس سلسلے میں بعض احادیث کا تذکرہ آگے آرہا ہے کہ آپؐ نے عورتوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھو اور نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ ازواج مطہرات اور دوسری خواتین نے پڑھی تھی۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ کی نماز جنازہ عورتوں نے بھی پڑھی تھی اس سلسلے میں وارد شدہ احادیث عام کتب حدیث میں مروی و منقول ہیں (سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۰، تلخیص الحبیر ج ۵ ص ۱۸۷، مسند احمد ج ۵ ص ۸۱، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۵۸ تا ۵۰۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۲۸ تا ۲۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۷۳ تا ۲۸۸، سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۱۳ تا ۳۱۴، طبقات ابن سعد وکتاب المغازی للواقدی ج ۳ ص ۱۱۲۰)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ:

" وهذا الصنيع وهو صلوتهم عليه فرادى لم يومهم احد عليه امر مجمع عليه لا خلاف فيه " یعنی ہمارے رسول ﷺ پر امام و جماعت کے بغیر سب کا انفرادی طور پر نماز جنازہ پڑھنا اجماعی اور متفق علیہ معاملہ ہے اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں ہے"(البدایہ والنہایہ ج ۵ ص ۲۸۶)

یہ معلوم ہے کہ کسی معاملہ پر اجماع امت دوسرے دلائل سے مستغنی بنا دیتا ہے اگر چہ کسی دینی معاملہ پر پوری امت کا اجماع دلیل شرعی کے بغیر نہیں منعقد ہوا کرتا۔ ہم اختصار کے پیش نظر اس تفصیل کو نظر انداز کرتے ہیں۔

روایات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کی تکفین کر کے آپؐ کی قبر کے پاس آپؐ کو رکھ دیا گیا تھا اور آپؐ کی قبر آپؐ کے حکم کے مطابق حجرۂ ام المومنین عائشہ صدیقہ میں کھودی گئی تھی آپؐ پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے پہلے مرد گروہ در گروہ داخل ہو کر صف بہ صف ہو کر اپنے اپنے طور پر منفردا نماز پڑھتے رہے ان کے بعد عورتون کی باری آئی پھر بچوں نے نماز پڑھی۔ یہ معلوم ہے کہ جس حجرۂ عائشہؓ

میں آپؐ مدفون ہیں وہ بہت چھوٹا سا کمرہ تھا اس میں بیک وقت زیادہ آدمی نہیں آسکتے تھے اسی لئے نماز جنازہ مکمل ہونے میں اچھا خاصا وقت لگ گیا۔ یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ جماعت اور امام کے بغیر آپؐ کی نماز جنازہ کا پڑھا جانا آپؐ کی خصوصیات میں سے ہے۔ امت کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ بہت سارے امور میں ہمارے رسول ﷺ کے لئے امت کے بالمقابل کچھ خصوصیات ہیں۔

نجاشی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کی تفصیل نہیں معلوم ہو سکی کہ آپؐ نے صحابہ کو کس طرح سے نماز پڑھائی صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو عام نمازوں کی طرح اس میں بھی صف بندی کا حکم دیا اور چار تکبیروں کے ساتھ آپؐ نے یہ نماز پڑھائی اسی طرح متعدد موجود لاشوں پر بھی آپؐ کی پڑھی گئی نماز جنازہ کی تفصیلی کیفیت معلوم نہیں ہے مگر دوسری احادیث سے تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ ہم بھی نماز جنازہ کی تفصیلی کیفیت بیان کرنے کی طرف توجہ اس لئے دیں گے کہ غائبانہ نماز جنازہ بالکل حاضرانہ نماز جنازہ ہی کیطرح پڑھی جاتی ہے دونوں کے وصف وکیف میں شرعاً کوئی تفریق نہیں ہے۔

نماز جنازہ کے لئے اوقات ممنوعہ

صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ:

" ثلاث ساعات كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهانا ان نصلي فيهن اونقبرفيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائمة الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب " یعنی رسول ﷺ ہم کو تین اوقات میں نماز پڑھنے اور قبروں میں مردوں کی تدفین سے منع فرمایا کرتے تھے ایک سورج طلوع ہونے کے وقت جب تک کہ وہ باقاعدہ روشن ہو کر بلند نہ ہو جائے دوسرے زوال سے پہلے دوپہر میں جب آفتاب نصف نہار میں ہو یعنی ضحوۃ کبریٰ کے وقت تیسرے آفتاب غروب ہونے کے وقت

حتی کہ سورج اچھی طرح غروب ہو جائے" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۴ او سنن ابن ماجہ ج ا ص ۴۶۳، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۲، مسند طیالسی ۱۰۰۱، مسند احمد ج ۴ ص ۱۵۲)

حدیث مذکور میں ان تینوں اوقات میں نماز پڑھنے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ ایک نماز ہے نیز مندرجہ ذیل روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہے:

" عن محمد بن ابی حرملة أن زينب بنت ابی سلمة توفيت وطارق امير المدينة فاتی بجنازتها بعد صلوة الصبح فوضعت بالبقيع قال وكان طارق يغلس بالصبح قال ابن ابی حرملة فسمعت عبد الله بن عمر يقول لاهلها اما ان تصلوا علی جنازتكم الآن واما ان تتركواها حتی ترتفع الشمس " یعنی محمد بن ابی حرملہ نے کہا کہ زینب بنت ابی سلمہ کا انتقال ہوا اور اس وقت امیر مدینہ طارق بن عمرو مکی تھے۔ حضرت زینب بن ابی سلمہ کا جنازہ لا کر جنۃ البقیع میں نماز پڑھنے کی جگہ نماز فجر کے بعد رکھا گیا اور طارق کا معمول تھا کہ نماز فجر غلس (اندھیرے منہ اول وقت میں) پڑھا کرتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب نے جنازہ والوں سے کہا کہ یا تو اسی وقت طلوع آفتاب کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے اس جنازہ کی نماز پڑھ لو یا پھر اسے اس وقت تک ملتوی رکھو کہ سورج نکل کر روشن وبلند ہو جائے (موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۲۸ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۲) ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمر نے موقف مذکور فرمان نبوی کے مطابق اختیار کیا تھا۔

امام ابن جریج سے مروی ہے کہ:

" اخبرنی زياد ان عليا أخبره أن جنازة وضعت فی مقبرة أهل البصرة حين اصفرت الشمس فلم يصل عليها حتی غربت الشمس فامر ابو برزة النادی ينادی ثم اقامها فصلی بهم المغرب وفی الناس انس بن مالك و أبو برزة من الانصار من أصحاب فتقدم ابو برزة من الأنصار من اصحاب

النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلوا علی الجنازۃ " یعنی حضرت انس بن مالک
وابو برزہ صحابہ کی موجودگی میں مقبرۂ اہل بصرہ میں سورج میں زردی آجانے کے بعد
رکھا گیا تو اس کی نماز جنازہ غروب آفتاب سے پہلے نہیں پڑھی گئی۔ غروب آفتاب
ہونے پر حضرت ابو برزہ کے حکم سے مغرب کی آذان کہی گئی اور بعد نماز مغرب جنازہ
کی نماز پڑھی گئی (سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۳ بسند جید صحیح) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
عہد صحابہ میں ان اوقات میں نماز جنازہ نہ پڑھنے کا رواج تھا۔

موطا میں منقول ہے کہ:

" قال ابن عمر یصلی علی الجنائز بعد العصر وبعد الصبح اذا
صلینا لوقتہما " یعنی ابن عمر نے کہا کہ جب عصر و فجر کی نماز اپنے صحیح وقت پر پڑھی
جائے تو ان کے بعد نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے یعنی طلوع و غروب آفتاب شروع
ہونے سے پہلے (موطاء امام مالک ج ا ص ۲۲۸)

البتہ حالت اضطرار و عذر کی بات دیگر ہے عذر و اضطرار کی صورت میں اس
حکم کے خلاف عمل ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ رات میں نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اور
تدفین بھی ہو سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نیز حضرت ابو بکر و عمر فاروق کی تدفین
رات ہی میں ہوئی تھی۔ تواتر معنوی سے اس کا ثبوت عہد نبوی سے لیکر آج تک ہے۔

نماز جنازہ میں جماعت جتنی بڑی ہوگی اتنا ہی اچھا ہوگا اس کی طرف شریعت
نے کافی توجہ دلائی ہے کہ مسلمان کے جنازہ میں لوگ زیادہ سے زیادہ شریک ہوں۔

حضرت براء بن عازب سے مروی ہے:

" امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبع ونہانا عن سبع
امرنا بعیادۃ المریض واتباع الجنائز وتشمیت العاطس ورد السلام
واجابۃ الداعی " یعنی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا اور سات

باتوں سے منع کیا جن سات باتوں کا حکم دیا وہ یہ ہیں مریض کی عیادت، جنازوں میں شرکت، چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کا جواب، سلام کا جواب، داعی کی دعوت کی قبولیت الحدیث (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ:

" حق المسلم علی المسلم خمس رد السلام وعیادة المریض واتباع الجنائز واجابة الدعوة وتشمیت العاطس" (متفق علیه) وفی روایة "حق المسلم ست اذا لقیه فسلم واذا دعاك فاجبه واذا استنصحنك فانصح له واذا عطس فحمد الله فشمته واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه (رواہ مسلم) یعنی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہے سلام کا جواب مریض کی عیادت، جنازوں میں شرکت، قبول دعوت، چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کا جواب ایک دوسری روایت میں چھ حقوق کا ذکر ہے چھٹا حق بوقت ملاقات سلام۔ اس معنی و مفہوم کی بہت ساری احادیث نبویہ ہیں جن میں مسلمانوں کو جنازہ اور تجہیز و تکفین و تدفین میں شریک ہونے کی ترغیب دی گئی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے کہ:

" ان النبی صلی الله علیه وسلم خطب یوما فذکر رجلا من اصحابه قبض فکفن فی کفن غیر طائل وقبر لیلا فزجر النبی صلی الله علیه وسلم أن یقبر الرجل باللیل حتی یصلی علیه الا ان یضطر انسان الی ذلك وقال النبی صلی الله علیه وسلم اذا کفن احدکم اخاه فلیحسن کفنه " یعنی آپ ﷺ نے ایک دن خطبہ دیتے ہوئے فوت ہونے والے ایک صحابی کا ذکر کیا جسے اچھے کپڑے میں نہیں کفنایا گیا اور رات ہی میں دفن کر دیا گیا آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے روکتے ہوئے کہا کہ رات میں کسی مردہ کو اس طرح نہیں دفن کر دینا چاہیئے کہ زیادہ لوگ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھ سکیں بلکہ اس کی تدفین اس طرح ہو کہ

زیادہ لوگ شریک نماز جنازہ ہو سکیں الا یہ کہ اضطراری اور مجبوری کی صورت میں ایسا کر سکتے ہیں نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی کو کفن دو تو اچھا کفن دو (صحیح مسلم مع شرح نووی ج ۱ ص ۳۰۶)

اس حدیث میں رات میں مردہ دفن کرنے سے اس بنیاد پر منع کیا گیا ہے کہ چپکے سے تھوڑے سے لوگ نماز جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیں چنانچہ بعض روایات میں منقول ہے کہ آپ کی تکلیف کے پیش نظر لوگوں نے بعض مردوں کی نماز جنازہ خود پڑھ کر آپ ﷺ کو خبر دیئے بغیر دفن کر، یا تو آپ ﷺ نے اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے خبر کر دیتے تاکہ میں بھی اس کی نماز جنازہ میں شریک ہو جاتا۔ بس اس قسم کی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے خطبہ میں یہ بات کہی تھی کہ لوگوں کو باقاعدہ نماز جنازہ میں شرکت کے لئے خبر دیئے بغیر چپکے سے تھوڑے سے آدمیوں کا نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ رات میں دفن کرنے سے آپ ﷺ نے منع نہیں کیا ہے اگر لوگوں کو باقاعدہ خبر دی جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ شریک نماز جنازہ ہو سکیں تو رات میں نہ نماز جنازہ ممنوع ہے نہ تدفین ممنوع ہے بلکہ اس کا ثبوت بہت زیادہ قوی سندوں سے موجود ہے۔

اس حدیث نبوی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو شریک ہونے کے لئے دعوت، اور موقع دینا مسنون و مستحب اور بہتر ہے بلکہ خاموشی سے بہت تھوڑے سے لوگوں کا چپکے سے نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دینا ممنوع ہے الا یہ کہ کوئی خاص ضرورت و مجبوری در پیش ہو۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ نماز جنازہ اگرچہ ابتدائے زمانہ سے مسلمانوں میں رائج تھی مگر اس سلسلے میں اللہ تعالی کی طرف سے قرآن مجید میں کافی تاخیر سے آیت نازل ہوئی اور ایسا بہت ہوا ہے کہ ایک بات کے لئے وحی خفی کے ذریعہ حکم موجود تھا مگر قرآن مجید میں ان سے متعلق حکم ربانی بعد میں نازل ہوا۔

نماز جنازہ کے سلسلے میں حکم قرآنی

خطبہ کتاب میں جس قرآنی آیت کا ذکر ہم نے کیا ہے اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"اے رسول! آپ مومنوں کے مال کی زکوۃ وصول کر کے انہیں صاف ستھرا بنائیں اور ان کی نماز جنازہ پڑھیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں کیونکہ آپ ﷺ کی نماز جنازہ اور دعائے رحمت آپ کے لئے باعث تسکین ہے"۔

اس بات پر پوری امت کا اجماع واتفاق ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے ہمارے رسول ﷺ کو جو احکام دئے گئے ان کی تعمیل پوری امت پر ضروری ہے اس حکم عام سے صرف وہ باتیں مخصوص و مستثنی ہیں جن کے مخصوص و مستثنی ہونے پر دلیل شرعی موجود ہو لہذا مذکورہ بالا آیت کے مطابق جس طرح تمام اہل ایمان پر زکوۃ فرض قرار پاتی ہے جب کہ وہ مالدار ہوں اس طرح تمام ہی لوگوں پر مرنے والے اہل ایمان کے لئے نماز جنازہ بھی فرض قرار پاتی ہے البتہ چونکہ یہ ممکن نہیں کہ ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ دنیا کے تمام ہی اہل اسلام پڑھ سکیں اس لئے یہ نماز فرض کفایہ ہے یعنی اسے کچھ لوگ بھی اگر پڑھ لیں تو اس کا وجوب عام لوگوں سے ساقط ہو جاتا ہے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکور شدہ قرآنی آیت کے لفظ "صل علیهم فان صلوتك سكن لهم" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی کیطرف سے یہ حکم تھا کہ صدقہ وزکوۃ ہونے پر صدقہ وزکوۃ دینے والوں کے لئے دعائے خیر کریں مگر یہ احادیث اس کے منافی نہیں کہ اس آیت میں نماز جنازہ پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے کیونکہ ایک ہی آیت کے متعدد معانی ہوتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں نماز جنازہ سے متعلق احادیث نبویہ بھی نقل کی ہیں۔ چنانچہ تفسیر در منثور سیوطی ج ۳ ص ۲۸۱، ۲۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۸۳ء میں آیت مذکورہ کے سلسلے میں حضرت یزید بن ثابت سے منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر

نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا" ان صلوتی علیه رحمة " یعنی مردے پر میری پڑھی ہوئی نماز جنازہ باعث رحمت ہے۔

مذکورہ بالا حدیث حافظ سیوطی نے بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل کی ہے مگر حدیث مذکورابن ابن شیبہ کے علاوہ بہت سارے محدثین نے روایت کی ہے اور اس کی متعدد سندیں ہیں اور بلحاظ سند یہ حدیث صحیح ہے (ملاحظہ ہوارواءالغلیل ج ۳ ص ۱۸۵ بحوالہ سنن نسائی ج ۴ ص ۸۴ حدیث نمبر ۲۰۲۲ وابن ماجہ حدیث نمبر ۱۵۲۸ و مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۸ وغیرہ)

شریعت کا یہ حکم عام ہے کہ ہر مومن کی نماز جنازہ پڑھی جائے چاہے میت حاضر ہو یا غائب

اس کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ نماز جنازہ کی مشروعیت اور وجوب پر دال ہے اور ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے کہ تمام ہی اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے قرآن مجید کے اس حکم عام کے خلاف کوئی بھی نقل قرآنی یا نص نبوی نہیں جس کا مفاد یہ ہو کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے موجود ہونا شرط ہے بلکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ تمام اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے لہذا جو لوگ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے ہونا لازم قرار دیتے ہیں وہ قرآن مجید اور شریعت کے حکم عام پر ایک ایسا اضافہ کرتے ہیں جس کا کوئی ثبوت اور کوئی ذکر کسی بھی دلیل شرعی میں نہیں ہے اور متفق علیہ بات ہے کہ شریعت کے کسی بھی حکم عام میں سے کسی قسم کی مزید شرط یا قید لگانی کسی دلیل شرعی کے بغیر جائز نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی مشہور و معروف ماثور دعا میں یہ منقول ہے کہ:

" اللهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا الحديث (رواه احمد والترمذی وابن ماجة والنسائی وغيرهم بسند صحيح) یعنی کہ ہم اس میت پر

پڑھی جانے والی نماز جنازہ میں اپنے زندہ و مردہ اور حاضر و غائب، چھوٹے بڑے، مرد و عورت سب کے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کرتے ہیں"۔

اس حدیث میں حی، شاہد، غائب کے الفاظ بھی آئے ہیں اور شاہد و غائب میں مردہ بھی ہوتے ہیں اور زندہ بھی اور حی بہر حال زندہ ہی ہوتا ہے اور کوئی شک نہیں کہ ہم بشمول نماز جنازہ عام نمازوں میں تمام چھوٹے بڑے، غائب و حاضر اور زندہ مردہ مسلمانوں اور مومنوں کے لئے دعائے مغفرت کرے ہیں لیکن زندہ آدمی کے لئے نماز جنازہ کا مشروع نہ ہونا بہت واضح طور پر ثابت ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت:

" ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ "(پ ۱۰ سورۃ التوبہ : ۸۴) یعنی مر جانے والے منافقون میں سے آپ ﷺ کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

سے مستفاد ہوتا ہے کہ مر جانے والے تمام مومنوں کی نماز جنازہ مشروع ہے جس کا مفہوم مخالف یہ نکلتا ہے کہ غیر مردہ یعنی زندہ آدمی کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور یہ معلوم ہے کہ جس مفہوم مخالف کو حجت ماننے میں شرعی مانع اور شرعی قرینہ نہ موجود ہو وہ حجت ہے اور غیرہ مردہ آدمی کی نماز جنازہ کے غیر مشروع ہونے پر مشاہدات کے قرائن موجود ہیں مگر جس میت کی لاش نمازیوں کے سامنے موجود نہ ہو اس کی نماز جنازہ کی مشروعیت پر شرعی دلیل موجود ہے اس لئے زندہ اور غیر موجود میت کے درمیان فرق بہت واضح ہے لہذا حدیث نبوی میں وارد شدہ مذکورہ بالا دعائے نماز جنازہ سے ہمارا استدلال درست ہے اور اس کے نادرست و غیر صحیح ہونے پر کوئی دلیل شرعی نہیں موجود ہے۔ اس سلسلے میں دلائل کی تفصیل آنے والے صفحات میں پوری تحقیق کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی پر نبی ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے جس کے رد میں مانعین نماز جنازۂ غائبانہ جو کچھ بھی کہتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ

حبشہ میں نجاشی پر نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی موصوف کو دفن کر دیا گیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔ ان مانعین نماز جنازہ غائبانہ میں سے بعض حضرات ایسی صورت میں غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے قائل ہیں کہ کسی بھی سبب سے مسلمان مردہ پر اگر نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو اور اسی طرح اسے دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنی مشروع ہے ایسے لوگوں سے ہمارا یہ کہنا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کے غیر مشروع ہونے پر آپ کا استدلال یہ ہے کہ نجاشی کے علاوہ کسی پر آپ ﷺ کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں تو کیا آپ کے اس موقف پر کوئی ثابت شدہ دلیل موجود ہے کہ نجاشی کے علاوہ کسی دوسرے پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھی؟ ظاہر ہے کہ یہ لوگ اس پر کوئی دلیل نہ پیش کر سکیں گے۔

نیز ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا قرآنی آیت کے عین مطابق غائب و حاضر میت کے درمیان تفریق کئے بغیر ہمارے نبی ﷺ نے مدینہ منورہ سے بہت دور ملک حبشہ میں فوت ہونے والے حبشی حکمراں نجاشی اصحمہ کی غائبانہ نماز جنازہ بڑے اہتمام سے صحابہ کو جمع کر کے پڑھی جب کہ موصوف نجاشی کی لاش اور میت آپ ﷺ کے سامنے موجود نہیں تھی بلکہ نجاشی کی موت دوسرے ملک میں مدینہ منورہ سے بہت دور ہوئی تھی۔ اور موصوف نجاشی کو حبشہ ہی میں دفن کر دیا گیا تھا اسی طرح ہمارے رسول ﷺ جب غزوہ تبوک کے سفر پر تھے تو مدینہ منورہ میں مشہور صحابی حضرت معاویہ لیثی یا مزنی کی موت ہو گئی آپ ﷺ کو سفر ہی میں موصوف معاویہ کی وفات کی خبر ہوئی اور آپ ﷺ نے سفر ہی میں مدینہ منورہ سے کافی دور معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس کی تفصیل پوری تحقیق کے ساتھ آگے آرہی ہے۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

"صلوا علی کل میت" اور اس کی ہم معنی حدیثوں پر بحث

ہماری بیان کردہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق قرآنی آیت سے مستفاد ہونے

والے حکم کے موافق متعدد روایات منقول ہیں مثلاً امام ابن ماجہ نے کہا کہ :

" حدثنا احمد بن یوسف السلمی ثنا مسلم بن ابراهیم ثنا الحارث بن بنهان ثنا عتبة بن یقظان عن ابی سعید عن مکحول عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صلوا علی کل میت وجاهدوا مع کل امیر " یعنی واثلہ بن الاسقع نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر میت کی نماز جنازہ پڑھو اور ہر امیر کے ساتھ مل کر جہاد کرو (سنن ابن ماجہ محقق از فواد عبد الباقی کتاب الجنائز حدیث نمبر ۱۵۲۵ ج ۱ ص ۴۸۸)

اس حدیث پر سنن ابن ماجہ کے محقق فواد عبد الباقی اور علامہ البانی کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ سند مذکور سے مروی شدہ یہ روایت مطلقاً ساقط الاعتبار ہے کیونکہ اس کا ایک راوی ابو سعید محمد بن سعید مصلوب وضاع و کذاب ہے اور دوسرا راوی حارث بن نبہان متفقہ طور پر ضعیف ہے اور تیسرا راوی عتبہ بن یقظان بھی ضعیف ہے (ارواء الغلیل للعلامہ الالبانی ج ۲ ص ۳۰۹)

اس مفہوم کی حدیث " صلوا علی من قال لا اله الا الله " ابن عمر سے مروی ہے مگر اس کی سند بھی بہت ضعیف ہے اس طرح اس معنی کی متعدد روایات ہیں جو باعتبار سند ساقط الاعتبار ہیں۔

علامہ البانی نے کہا کہ :

" فقد تبین من هذا التخریج والتتبع لطرق هذا الحدیث انها کلها واهیة جدا کما قال الحافظ فی التلخیص ص ۱۲۵ الخ یعنی اس حدیث کے طرق و اسانید کی مفصل تخریج و تلاش سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس کی ساری سندیں بہت زیادہ ضعیف و ساقط الاعتبار ہیں۔ (ارواء الغلیل ج ۲ ص ۳۱۰)

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت سنن ابی داؤد و سنن دار قطنی و سنن بیہقی وغیرہ میں معنوی طور پر بایں الفاظ مروی ہے کہ :

" والصلوة واجبة علی کل مسلم برا کان او فاجرا و ان عمل الکبائر "
یعنی ہر مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھنی واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر خواہ وہ کبائر کا ارتکاب کرنے والا ہی کیوں نہ ہو"
مشکوۃ المصابیح باب الامامۃ فصل دوم میں یہ حدیث انہیں الفاظ میں منقول ہے۔

امام ابوداؤد نے کہا کہ:

" حدثنا احمد بن صالح اخبرنا ابن وهب حدثنی معاویة عن العلاء بن الحارث عن مکحول عن ابی هریرة عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال الجهاد واجب علیکم الحدیث (سنن ابی داؤد مع عون المعبود کتاب الجهاد باب فی الغزو مع ائمة الجور ج ۸ ص ۲۰۶ نیز ملاحظہ ہو سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۹) یعنی مشکوۃ میں مذکور شدہ حدیث کی سند امام ابوداؤد نے یہی بیان کی ہے امام بیہقی نے کتاب المعرفۃ میں کہا یہ سند صحیح ہے البتہ ابوہریرہ و مکحول کے درمیان ارسال ہے یعنی کہ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام دار قطنی نے مکحول تک اس کی ایک دوسری سند کا ذکر بھی کیا ہے (سنن دار قطنی ج ا ص ۱۸۴)

یہ معلوم ہے کہ مرسل حدیث احناف و مالکیہ کے نزدیک مطلقا حجت ہے اور دوسرے اہل علم کے نزدیک بعض شرائط کے ساتھ حجت ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ دوسری متصل سند سے خواہ ضعیف ہو مروی ہو اور یہ معلوم ہے کہ معنوی طور پر یہ حدیث دوسری بہت سی متصل سندوں کے ساتھ مروی ہے جو مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ساقط الاعتبار ہیں مگر سب کے مجموعہ سے سنن ابی داؤد (والی مرسل روایت کی معنوی شاہد و متابع بننے کی صلاحیت ان میں بہر حال ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ حدیث نص قرآنی کے مفہوم کے مطابق ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حاضر وغائب میت کی تفریق کے بغیر ہر مسلمان کی نماز

جنازہ پڑھنے کی شریعت نے اجازت دی ہے۔

نجاشی پر نبی ﷺ کی نماز جنازہ غائبانہ نیز معاویہ لیثی پر بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے میت کا نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ معلوم ہے کہ جو میت امام کے سامنے موجود ہوتی ہے اس کا دوسری صفوں کے نمازیوں کو نظر آنا ضروری نہیں اس اعتبار سے عام نمازیوں کی نظر سے بہر حال اس صورت میں بھی مردہ کی لاش موجود نہیں ہوتی۔

قرآنی آیت " ولا تصل علی احد منهم الآیة " اور نماز جنازہ

خطبہ کتاب میں ہماری ذکر کردہ آیت پر غور کرنے کی حاجت ہے کہ:

" ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره انهم کفروا با لله ورسوله وماتوا وهم فاسقون " دفس (پ۱۰ سورۃ التوبہ : ۸۴) یعنی فوت ہو جانے والے منافقوں میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ آپ ﷺ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر ہی پر کھڑے ہوں کیونکہ انہوں نے اللہ و رسول کے ساتھ کفر کیا اور فاسق ہونے کی حالت میں انہیں موت آئی۔

اس آیت میں منافق اور اس قسم کے لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں اس کی کوئی قید و شرط نہیں کہ نماز جنازہ اس مسلمان میت کی پڑھی جائے جس کی لاش نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہو اور یہ معلوم ہے کہ جس مفہوم مخالف کو مراد لینے سے کوئی شرعی مانع نہ موجود ہو اسے حجت بنایا جائے گا اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس کے مفہوم مخالف پر عمل نبوی موجود ہے آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ نجاشی کی پڑھی

اور اسی طرح کی بات معاویہ لیثی کی بابت بھی منقول ہے۔ البتہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ نماز جنازہ بذات خود فرض کفایہ ہے اس لئے جس میت کی ایک بار نماز جنازہ پڑھ لی گئی ہو اس پر غائبانہ طور پر یا حاضرانہ طور پر دوبارہ، سہ بارہ نماز جنازہ کا پڑھنا صرف مسنون و مستحب ہی رہ جاتا ہے۔

اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی ﷺ نے ایسی میتوں کی قبروں پر نماز جنازہ پڑھی جن کو ایک بار نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جا چکا تھا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک میت کی نماز جنازہ ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھنی مشروع ہے اس سلسلے میں بہت ساری روایت مرفوعا و موقوفا منقول و مروی ہیں اسی پر عام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم رحمہم اللہ کا عمل رہا۔

یہ ثابت ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ " صلوا علی اخیکم " (متفق علیہ) یہ حدیث متواتر المعنی ہے جس کا مفاد ہے کہ مسلمانوں کے مسلمان بھائی پر نماز جنازہ پڑھی جائے یعنی کہ جس کلمہ گو سے مسلمان ہونے کی نفی شرعی دلائل سے نہیں ہو سکتی خواہ وہ کتنا ہی زیادہ گناہ گار ہو وہ بہر حال مسلمانوں کا مسلمان بھائی ہے اس اعتبار سے یہ متواتر المعنی حدیث نبوی " صلوا صلوعلی کل بر و فاجر " اور اس کی ہم معنی احادیث کی معنوی متابع و شاہد ہے جن میں سے بعض میں صرف ارسال کی علت ہے اور مرسل ہونے کی یہ علت دوسرے طرق و اسانید سے دور ہو جاتی ہے خاص طور پر نجاشی والی وہ حدیث جس میں " صلوا علی اخیکم " کا لفظ آیا ہوا ہے اور وہ مطلقا صحیح و معتبر ہے۔

ہر مومن کے لئے نماز جنازہ مشروع ہے

ناظرین کرام مندرجہ ذیل آیت قرآنیہ کی تلاوت غور و تدبر کے ساتھ کریں:

" و إن من اهل الكتاب من يومن با لله وما انزل اليكم وما انزل

PDF Compressor Free Version

الیھم خاشعین للہ لا یشترون بآیات اللہ ثمنا قلیلا اولئک لھم اجرھم عند ربھم ان اللہ سریع الحساب " (پ ۴ سورۃ آل عمران: ۱۹۹) یعنی اہل کتاب میں سے یقیناً کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر بھی ایمان رکھتے جو تمہاری اور ان کی طرف منجانب اللہ نازل کیا گیا وہ اللہ سے خشوع رکھنے والے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے معمولی قیمت کا سودا نہیں کرتے ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ملے گا بیشک اللہ تعالی جلد حساب لینے والا ہے۔

مذکورہ بالا آیت کے شان نزول کے سلسلے میں اہل علم نے متعدد احادیث صحیحہ اس معنی کی نقل کی ہیں کہ شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ جب رسول اللہ ﷺ نے پڑھنے کا حکم دیا تو بعض منافقوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ ﷺ ہمیں ایک حبشی کافر کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں ان منافقوں کے جواب اور رد میں آیت مذکورہ نازل ہوئی کہ موصوف حبشی حکمراں کافر نہیں بلکہ مومن ہیں لہذا ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے میں کوئی حرج اور قباحت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وارد شدہ ساری احادیث میں سے ایک حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

" عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قوموا فصلوا علی اخیکم النجاشی فقال بعضھم تامرنا ان نصلی علی علج من حبشۃ فانزل اللہ تعالی وان من اھل الکتاب لیومن باللہ الی آخر السورۃ " یعنی حضرت انس بن مالک انصاری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی نجاشی کی نماز جنازہ پڑھو اس پر بعض لوگوں نے (بعض احادیث میں صراحت ہے کہ یہ لوگ منافق تھے) کہا کہ آپ ﷺ ہمیں ایک حبشی کافر کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی (عام کتب تفسیر میں یہ حدیث متعدد اسانید صحیحہ سے مروی ہے نیز ملاحظہ ہو اصابہ ترجمہ اصحمہ ج ۱ ص ۱۰۹، در منثور ج ۱ ص ۱۱۳ تفسیر ابن جریر مع تعلیقات علامہ شاکر ج ۷ ص ۴۹۶،

۴۹۷ھ، تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۸۱، ۸۲ آیت مذکورہ)

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ سے صاف ظاہر ہے کہ منافقوں تک کو غائبانہ نماز جنازہ کے جائز اور مشروع ہونے پر کوئی اعتراض نہیں تھا انہیں اعتراض یہ تھا کہ کج فہمی کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ جس اصحمہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ خود پڑھنے جا رہے ہیں اور تمام مسلمانوں کو بھی پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہیں مگر قرآن مجید نے بتلایا کہ جس اصحمہ نجاشی کو تم کافر سمجھ رہے ہو وہ در حقیقت بہت اچھے مومن ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان میت کی نماز جنازہ علی الاطلاق اور علی العموم مشروع ہے اس کی لاش کا نمازیوں کے سامنے موجود و حاضر ہونا ضروری نہیں۔ نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا حکم دیتے وقت رسول اللہ ﷺ نے " صلوا علی اخیکم النجاشی " کے واضح الفاظ کے ذریعہ صراحت کر دی تھی کہ جس نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم میں تم کو دے رہا ہوں وہ تمہارے یعنی مومنوں کے بھائی ہیں ظاہر ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اسلام کے اس اصول کے تحت فرمائی تھی کہ " انما المومنون اخوۃ " (پ ۲۶ سورۃ الحجرات : ۱) سارے کے سارے اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے میت کا مومن ہونا تو شرط ہے اس کی لاش کا نمازیوں کے سامنے حاضر و موجود ہونا شرط نہیں ورنہ آپ ﷺ مدینہ منورہ سے بہت دور دوسرے ملک میں فوت ہونے والے مسلم حکمراں نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھتے نہ تمام ہی مسلمانوں کو اس کا حکم دیتے پھر آپ ﷺ کا یہ عمل اللہ تعالی کے نزدیک بالکل درست و صحیح بھی تھا حتی کہ آپ کے اس عمل پر اعتراض کرنے والے منافقوں کی تردید میں رب العالمین نے وحی نازل فرمائی اور اس فعل نبوی کو صحیح وصواب قرار دیا جس کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن مجید نے نماز جنازہ غائبانہ کے مشروع ہونے کی تائید کر دی ہے لہذا ہر مومن پر لازم ہے کہ اللہ اور رسول کی اس بات کو مانے

PDF Compressor Free Version

اور قبول کرے جیسا کہ تمام صحابہ نے کیا تھا اور کسی بھی صحابی نے اس کے خلاف کوئی بات نہ کی اور نہ کہی جیسا کی حافظ ابن حزم نے المحلی ج ۵ ص ۱۳۸ تا ۱۳۹ اور ۱۶۸ تا ۱۷۳ میں صراحت کی ہے اور امام شافعی نے صراحت کی ہے کہ حدیث نبوی سے نماز جنازہ غائبانہ کا مشروع ہونا ثابت ہے اور اس سے انکار سنت نبویہ سے انکار ہے اور یہ انکار نص کے مقابلہ میں محض قیاس پر قائم ہے (کتاب الام ابواب الجنائز ج ۱ ص ۱۳۹)

غور کرنے کی بات ہے کہ جس قول و فعل کی تصدیق و تصحیح و تائید قرآن مجید نے کی ہو اور صحابہ میں سے کسی نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا ہو اس سے انحراف و اعراض کی گنجائش کیوں کر نکل سکتی ہے؟ پھر ایک سے زیادہ آیات اور معنوی تواتر والی احادیث میں نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے نمازیوں کے سامنے میت کے حاضر و غیر حاضر ہونے کی قید کے بغیر حکم جاری کیا گیا ہو تو نماز جنازہ کی مشروعیت کے لئے نمازیوں کے سامنے میت کی حاضری کی قید و شرط لگانی کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟

ہم ایک بات یہاں عرض کر رہے ہیں کہ حافظ ابن حزم نے اگر چہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا ہے کہ نماز جنازہ غائبانہ کی مشروعیت سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی قابل ذکر تابعی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا ہے اور اہل علم کی اصطلاح کے مطابق یہ معاملہ صحابہ و تابعین کا اجماع سکوتی کہلاتا ہے اور صحابہ و تابعین کے جس اجماع سکوتی کی تائید و تصدیق قرآنی آیت اور حدیث متواتر سے ہو رہی ہے اس سے بعد والوں کا اختلاف قطعاً غیر صحیح موقف ہے۔ اہل علم کو خصوصاً اور تمام مسلمانوں کو عموماً اس معاملہ میں غیر جانب دار ہو کر حق و صواب تک پہنچنے کے لئے سنجیدگی سے غور و فکر کرنا لازم ہے۔

شاہ حبشہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پر بحث

یہ بات معلوم ہے کہ شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ کی نماز جنازہ غائبانہ ہمارے رسول ﷺ نے پڑھی تھی اور تمام ہی صحابہ کرام کو حکم دیا تھا کہ تم بھی میری امامت میں یہ

نماز جنازہ غائبانہ پڑھو چنانچہ یہ غائبانہ نماز جنازہ مدینہ منورہ کی عیدگاہ پر رسول اللہ ﷺ کی معیت وامامت میں پڑھی گئی تھی صحیح بخاری، مسلم اور متعدد کتب حدیث میں بہت سارے صحابہ کرام سے نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ کا واقعہ مروی ہے اور حافظ ابن تیمیہ نیز متعدد اہل علم کی صراحت ہے کہ صحیحین کی متفق علیہ روایت عام طور پر متواتر المعنی ہیں نیز یہ کہ متواتر المعنی ہونے کے سبب یہ احادیث قطعی اور یقینی علم کا افادہ کرتی ہیں (الفتاوی ابن تیمیہ ج ۱۸ ص ۵۰ و ۴۰، ۴۱ وج ۱ ص ۲۵٦، ۲۵۷، منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۵، مقدمہ اصول التفسیر من فتاوی ابن تیمیہ ج ۱۳ ص ۳۵۰، ۳۵۱)

حدیث مذکور حضرت عمران بن حصین، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، ابو سعید خدری، حذیفہ، جریر بن عبداللہ، مجمع بن جاریہ، ابن عمر، انس بن مالک، ابن عباس، وحشی بن حرب وغیرہم رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی، ج ۲ ص ۱۴۹، ۱۵۰، کتاب الجنائز للعلامہ البانی ص ۸۹ تا ۹۱، ارواء الغلیل للالبانی ج ۳ ص ۱۷۵ تا ۱۷۹ و سنن دار قطنی مع تعلیق مغنی وعام کتب حدیث)

صحیح بخاری و مسلم میں اس حدیث کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" مات اليوم رجل صالح فقوموا فصلوا على اخيكم اصحمة - یعنی آج ایک صالح آدمی فوت ہوگئے ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ اور اپنے بھائی اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھو" (صحیح بخاری مع فتح الباری کتاب مناقب الانصار باب موت النجاشی حدیث نمبر ۳۸۷۷ ج ۷ ص ۱۹۱ اور صحیح مسلم وعام کتب حدیث)

اس فرمان نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا بھائی ہونے کے سبب یہ ارشاد نبوی ہوا کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے اس لئے جو حضرات احکام شرعیہ میں علل وقیاس کے قائل ہیں ان کے اصول سے کسی بھی فوت شدہ میت پر

نماز جنازہ کے مشروع ہونے کی علت اسلامی اخوت قرار پانی ضروری ہے کیونکہ اس کے علاوہ جو علت بھی اس حکم شرعی کی قرار دی جائے گی وہ غلط ہی غلط ہوگی اور اسے اس حکم شرعی کی وجہ وعلت نہیں قرار دیا جا سکے گا اور صحیح ترین بات یہ ہے کہ اہل اسلام کو نصوص شرعیہ کا پیرو وپابند قرار دیا گیا ہے علل وقیاس کا نہیں البتہ جو علل وقیاس منصوص ہوں وہ قابل اتباع ہیں مگر انہیں معنوی طور پر علل وقیاس نہیں کہا جا سکتا مثلاً فرمان نبوی ہے کہ " کل مسکر خمر " یا " کل مسکر حرام " ہر نشہ آور چیز شراب اور حرام ہے۔ اس فرمان نبوی میں نشہ کو کسی بھی چیز کی حرمت کی علت قرار دیا گیا ہے مگر اسے قائلین قیاس وعلل والی مصطلح علت نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ بذات خود ایک نص صریح ہے کہ جس چیز میں بھی نشہ ہو وہ شراب اور حرام ہے۔

بعض لوگ جو اس حدیث پر عمل نہیں کرتے وہ بطور سخن سازی کہہ دیا کرتے ہیں کہ نجاشی کی میت بطور معجزہ نبی ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی اس لئے یہ نماز غائبانہ نہیں بلکہ حاضرانہ تھی اس طرح کی بات عام کتب احناف نصب الرایہ وجوہر النقی وغیرہ میں مرقوم ہے حالانکہ اولاً کسی بھی معتبر حدیث میں منقول نہیں کہ نجاشی کی میت بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے کر دی گئی تھی یا آپ ﷺ کے سامنے سے نجاشی کی میت کے درمیان والے سارے حجاب اٹھا دیئے گئے تھے پھر بالفرض یہ بات اگر کسی معتبر روایت میں منقول ہو تو اسے نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کی ایسی علت قرار دینا کہ اس کے بغیر نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہی نہیں جا سکتی اصول شریعت کے خلاف ہے۔ کسی بھی نص شرعی میں اس تعلیل کو نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کی وجہ وعلت بیان کر کے نہیں کہا گیا ہے کہ میت اگر نمازیوں کے سامنے نہ ہو تو اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنی مشروع نہیں ہے۔ البتہ کتاب وسنت کے عام نصوص میں فعل وقول نبوی کے اتباع کا حکم قطعی بڑی کثرت وتاکید کے ساتھ دیا گیا ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جو کام خود ہمارے نبی ﷺ نے کیا اور جس کے کرنے کا حکم بھی دیا وہ

ہمارے لئے بھی واجب الاتباع اور مشروع ہے اور یہ مسئلہ بھی متفقہ ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ بذات خود پڑھی اور صحابہ کو پڑھنے کا حکم بھی دیا اور کسی بھی فرمان نبوی بلکہ قول صحابی میں اس کا ذکر اشارۃً و کنایۃً نہیں ملتا کہ یہ نماز جنازہ غائبانہ صرف نجاشی ہی کے لئے خاص تھی بلکہ دعوی تخصیص کی تردید میں کچھ احادیث موجود ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے نجاشی کی بابت تو اس کی کوئی صراحت نہیں کہ موصوف کی میت بطور معجزہ ہمارے رسول ﷺ کے سامنے کردی گئی تھی یا کشف حجاب کردیا گیا تھا مگر سورج گرہن والی نماز (نماز کسوف) کے سلسلے میں معنوی تواتر والی حدیث مروی و منقول ہے کہ اس نماز کے وقت جنت و جہنم کو ہمارے رسول ﷺ کے سامنے بطور معجزہ کر دیا گیا تھا یہ احادیث صحیحین اور عام کتب حدیث کے ابواب الکسوف میں منقول ہیں اس کے باوجود کسی ایک بھی فقیہ نے دعوی نہیں کیا کہ گرہن والی نماز آپ ﷺ نے صرف اس لئے پڑھی تھی کہ بطور معجزہ اس وقت جنت وجہنم کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ نماز مشروع نہیں ہے بلکہ یہ نماز آپ ﷺ کے لئے خاص تھی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حیات نبوی میں سورج و چاند میں یقیناً متعدد بار گرہن لگا ہوگا مگر بہت سارے اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک بار اپنے صاحب زادہ ابراہیم کی وفات کے موقعہ پر نماز کسوف پڑھی تھی ان امور کے باوجود اس نماز کو یہی لوگ خاص نہیں قرار دیتے کہ بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے جنت وجہنم کو کر دیا گیا تھا مگر نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کو نہ جانے کیوں خاص کہتے پھرتے ہیں جب کہ تخصیص کے خلاف دلائل شرعیہ قائم اور وارد ہیں اور تخصیص پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے واقدی (محمد بن عمر اسلمی) نے بلا سند ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ:

"كشف للنبي صلى الله عليه وسلم عن سرير النجاشي حتى راه وصلى عليه" یعنی نبی ﷺ کے لئے نجاشی کی چارپائی یا تخت کو کشف کر دیا گیا تھا مگر

سورج گرہن والی نماز کے سلسلے میں معنوی تواتر والی حدیث موجود ہے کہ اس نماز کے وقت جنت وجہنم کو ہمارے رسول ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ مشروع نہیں بلکہ یہ نماز آپ ﷺ کے لئے خاص تھی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حیات نبوی میں سورج وچاند میں یقیناً متعدد بار گرہن لگا ہوگا مگر بہت سارے اہل علم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک بار اپنے صاحب زادے ابراہیم کی وفات پر نماز کسوف پڑھی تھی ان امور کے باوجود بھی لوگ خاص نہیں قرار دیتے کہ بطور معجزہ آپ ﷺ کے سامنے جنت وجہنم کو کر دیا گیا تھا لہذا بعد والوں کے لئے یہ مشروع نہیں مگر نجاشی پر پڑھی جانے والی نماز جنازہ غائبانہ کو نہ جانے کیوں خاص کہتے پھرتے ہیں جبکہ تخصیص کے خلاف دلائل شرعیہ قائم ہیں اور تخصیص پر کوئی بھی دلیل نہیں۔ واقدی (محمد بن عمر اسلمی نے بلا سند ایک روایت یہ نقل کی ہے کہ: آپ ﷺ نے اسے دیکھ لیا اور نماز پڑھی" (فتح الباری کتاب الجنائز ج ۳ ص ۱۸۸)

یہ معلوم ہے کہ واقدی وضاع وکذاب راوی ہے اور اس کا کذاب ووضاع ہونا بہت معروف ومشہور بات ہے۔ یہ اگر سند کے ساتھ کوئی روایت نقل کرے تو وہ بھی کسی کام کی نہیں چہ جائیکہ بلا سند اس کی ذکر کردہ کسی روایت کو کیونکر دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

ترجمہ محمد بن عمر واقدی

اہل علم کو واقدی کا بہت زیادہ مجروح وساقط الاعتبار ہونا معلوم ہے پھر بھی ہم ناظرین کرام کے سامنے موصوف کی بات ائمہ جرح وتعدیل کی باتیں مختصراً بیان کر دینی چاہتے ہیں تاکہ معاملہ واضح رہے۔

واقدی کا بہت بڑا صاحب علم خصوصاً علوم مغازی وسیر میں ماہر ہونا مسلم ومعروف ہے۔ مگر امام شافعی نے بالصراحت کہا کہ:

" الكذابون المعروفون بالكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم

اربعة الواقدی الخ" یعنی رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ وافترا کرنے والے معروف ومشہور کذابین چار ہیں جن میں سے ایک واقدی بھی ہے (تہذیب التہذیب ترجمہ واقدی ج۹ ص۳۲۵)

امام احمد نے اسے بار بار کذاب قرار دیا ہے۔ امام بخاری کے استاذ خاص امام ابن المدینی نے بھی واقدی کو کذاب اور وضاع کہا۔ امام بغداد "محمد بن بشار نے کہا کہ:

"ما رأیت اکذب منہ" یعنی واقدی سے بڑا کذاب میں نے نہیں دیکھا (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۲۶)

امام ابو حاتم رازی نے بھی موصوف کو وضاع وکذاب کہا امام ابن المبارک اور متعدد اہل علم نے اسے متروک کہا۔ امام ابوداؤد نے کہا کہ:

" لا اکتب حدیثہ ولا احدث عنہ ما اشك أنه كان يفتعل الحديث ليس ننظر للواقدی فی کتاب الا تبین امرہ وروی فی فتح المبین وخبر العنسی احادیث عن الزہری لیست من حدیثہ " یعنی میں موصوف کی حدیث نہ ™ کا روادار ہوں نہ موصوف سے روایت کرنے کا روادار ہوں مجھے اس میں شک نہیں کہ موصوف واقدی احادیث وضع کرتا تھا واقدی کی جو کتاب بھی ہم دیکھتے ہیں اس سے موصوف کا معاملہ ظاہر ہو جاتا ہے یعنی کہ موصوف کذاب اور وضاع ہے اس نے امام زہری کے حوالہ سے فتح المبین اور اسود عنسی کے بارے میں ایسی روایات بیان کی ہیں جو زہری کی بیان کردہ احادیث نہیں ہیں (تہذیب التہذیب ج۹ ص۳۲۶)

اسے امام اسحاق بن راہویہ نے بھی وضاع وکذاب کہا اور ابن معین وجوزقانی ودار قطنی وابن حبان وابن ابی حاتم وغیرہ نے بھی سخت کلام کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ موصوف کی جن اہل علم نے تعریف وتوصیف کی ہے وہ موصوف کے علم میں ماہر ہونے کی بنا پر کی ہے مگر علم میں ماہر ہونا دوسری بات ہے اور روایت میں ثقہ ومعتبر ہونا دوسری بات ہے۔

دریں صورت اگر واقدی موصوف نے اپنی بے سند ذکر کردہ اس روایت کی کوئی سند بھی بیان کی ہوتی تو وہ روایت نا قابل اعتبار اور کالعدم ہوتی چہ جائیکہ موصوف نے کوئی سند اس روایت کی نہیں بیان کی ہے۔

اہل علم پر ضروری ہے کہ وہ صرف معتبر روایات پر اعتماد کریں۔ نیز ہم عرض کر چکے ہیں کہ بالفرض کشف والی یہ مکذوبہ بات صحیح بھی ہو تو اس کا یہ سبب ہرگز نہیں کہ نماز جنازہ کے جواز کے لئے نمازی کے سامنے میت کا ہونا لازم ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ٹی، وی کے ذریعہ اگر انتہائے مشرق کے کسی میت کو انتہائے مغرب میں رہنے والے نمازیوں کے بالکل سامنے دکھلایا جائے اور اسے ٹی، وی پر دیکھ کر لوگ اسکی نماز جنازہ پڑھیں تو نجاشی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے سلسلے میں کشف والی بات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

روایت عمران بن حصین کا تذکرہ

اس سلسلے میں بعض لوگوں نے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

" قال عمران بن حصین فقام وصفوا اخلفه وهم لا يظنون الا ان جنازته بين يديه رواه ابن حبان ورواه ابوعوانة بلفظ " ونحن لا نرى الا أن جنازته قدامنا " یعنی عمران بن حصین نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے حکم کے مطابق ہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے صف بندی کی تو روایت ابن حبان کے مطابق لوگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ جنازہ نجاشی نبی ﷺ کے سامنے ہی ہے اور روایت ابو عوانہ کے مطابق لوگ یہ محسوس کرتے تھے کہ جنازہ نجاشی ہمارے سامنے ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۱۸۸ نیز مسند احمد ج ۴ ص ۴۴۶ وارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۷۶)

ہم کہتے ہیں کہ محض گمان اور احساس سے اور وہ بھی غیر نبی کے گمان واحساس سے شریعت کا کوئی مسئلہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے جب کہ اگر فی الواقع بطور معجزہ و کشف

جنازہ و نجاشی آپ ﷺ کے سامنے یا صحابہ کے سامنے کر دیا گیا ہو تو بھی نماز جنازہ و
غائبانہ کی مشروعیت کی نفی نہیں ہوتی ورنہ اس طرح کی تعلیل وحیلہ سازی کرنے
والوں کو یہ فتوی دینا ہوگا کہ گرہن کے وقت جب تک نمازیوں کے سامنے جنت وجہنم
نہ پیش کر دی جائے تب تک گرہن والی نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

اس طرح جو لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ پوری زندگی میں آپ ﷺ کا صرف
ایک بار نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا ثابت ہے حالانکہ مدینہ سے باہر یقیناً بہت سے
مسلمانوں کی موت عہد نبوی میں ہوتی ہوگی مگر اس کا کوئی ذکر نہیں کہ آپ ﷺ نے
وہی ایک بار نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ کے علاوہ بھی کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو
آپ لوگوں کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ سورج گرہن کی نماز (صلوۃ الکسوف) کا ایک
سے زیادہ مرتبہ آپ ﷺ کا پڑھنا ثابت نہیں ہے اسی طرح نماز استسقا کا معاملہ بھی
ہے۔ اگر کہا جائے کہ سورج گرہن وچاند گرہن ہونے پر آپ ﷺ نے نماز پڑھنے کا
حکم اپنی امت کو دیا ہو تو نجاشی پر نماز جنازہ کا حکم دیتے ہوئے آپ ﷺ کا جو یہ فرمانا
متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے کہ:

" صلوا علی اخیکم مات بارض غیرکم " یعنی اپنے بھائی کی نماز جنازہ
پڑھو جن کی موت تمہارے ملک سے باہر دوسرے ملک میں ہوئی ہے"۔

تو اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت بیان کرتے
ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اس بھائی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھو جو تمہاری سر
زمین مدینہ منورہ سے دور دوسری جگہ فوت ہوئے جس کا لازمی مطلب ہے کہ ہمارا جو
بھائی ہماری سکونت گاہ سے دور دوسری جگہ فوت ہوا ہو اس کی نماز جنازہ غائبانہ اس لئے
مسلمانوں کو پڑھنی مشروع ہے کہ وہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری سکونت گاہ سے دور
دوسری جگہ ہونے کی جس علت کی بنا پر آپ ﷺ نے نماز جنازہ غائبانہ نجاشی کے لئے
پڑھی وہی علت ہر غائبانہ نماز جنازہ کے لئے پائی جاتی ہے کہ وہ مسلمان جس کی نماز

غائبانہ پڑھنی ہے وہ ہم سے دور فوت ہوا اور مدفون بھی اور وہ ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ اس بات کو ملحوظ رکھا جائے تو اس مسئلہ میں مانعین غائبانہ نماز جنازہ کے پیش کردہ اشکالات دور ہو جائیں گے اور ان میں کوئی وزن اور زور نہیں محسوس ہوگا اور یہی بات حافظ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں کہی ہے۔ یہ ہماری اختراع کردہ بات نہیں ہے بلکہ ہم اس معاملہ میں سابق محدثین کے طریق پر ہیں۔ اللہ ہم کو تمام امور و معاملات میں نصوص شرعیہ کتاب و سنت اور طریق سلف صالحین کا پیرو بنائے۔ آمین۔

پھر اگر بعض صحابہ سے یہ مروی ہے کہ ہمیں یہ احساس یا گمان ہوتا تھا کہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھتے وقت نجاشی کی میت نبی ﷺ کے سامنے یا ہمارے سامنے ہے تو دوسری طرف حضرت مجمع بن جاریہ سے مروی ہے کہ جس وقت ہم نجاشی کی نماز جنازہ پڑھ رہے تھے اس وقت ہمارے سامنے لاشہ نجاشی کے ہونے کا کوئی بھی گمان نہیں تھا (رواہ الطبرانی بسند صحیح)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا احساس و گمان ایک اعتباری چیز ہے اور کسی چیز کا احساس و گمان اس امر کو مستلزم نہیں کہ معاملہ بھی فی الواقع اس احساس و گمان کے مطابق ہی ہے۔ آخر صحابہ میں سے کچھ لوگوں کا گمان یہ بھی تھا کہ لاشہ نجاشی کیا معنی کوئی بھی چیز نمازیوں کے سامنے نہیں تھی۔

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نجاشی کے علاوہ کسی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے کا ثبوت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز جنازہ نجاشی کے لئے خاص تھی ورنہ دوسروں کے لئے بھی اس کا ثبوت ہوتا۔ (عام کتب احناف)

ہم کہتے ہیں کہ نصوص قرآن و حدیث میں سے کسی میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جو کام ہمارے رسول ﷺ نے صرف ایک ہی بار کیا ہو اور دوسروں کو کرنے کا حکم دیا ہو اور دوسری بار اس کے کرنے کا ثبوت نہ ہو یا یہ نہ ثابت ہو کہ دوسری بار آپ ﷺ نے لوگوں کو اسے کرنے کا حکم دیا ہے وہ کام شریعت میں ممنوع و غیر مشروع ہے

اور وہ کام صرف ایک ہی مرتبہ کے لئے مخصوص و محصور ہو گیا البتہ اگر کسی معاملہ میں تخصیص کا ثبوت نصوص کتاب وسنت میں ہو تو اسے ماننا بہر حال ضروری ہے مگر نجاشی کے معاملہ میں تخصیص کا کوئی ثبوت نہیں اور نصوص قرآن وسنت میں مطلقاً بلا قید وشرط اتباع نبوی کا حکم دیا گیا ہے پھر اپنی طرف سے شرط وقید کیونکر لگائی جا سکتی ہے؟ علاوہ ازیں نجاشی کے ساتھ نماز جنازہ غائبانہ کی تخصیص کا دعوی بھی محل نظر اور غلط ہے نیز نجاشی کی موت ۹ھ میں اواخر حیات نبوی میں واقع ہوئی ہے (عام کتب تواریخ وسیر) اور اواخر عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام دیئے ہوئے کام یا جاری کردہ حکم کی شریعت میں خاصی اہمیت ہے اور یہ بات اہل علم کے درمیان معلوم ومعروف بھی ہے۔

معاویہ لیثی یا مزنی صحابی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی

جس سال نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھی اور تمام صحابہ کو پڑھنے کا حکم دیا اسی سال غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس سفر میں گئے ہوئے تھے تو مدینہ منورہ میں ایک صحابی معاویہ بن معاویہ لیثی یا مزنی کا انتقال ہو گیا تھا موصوف معاویہ کی خبر مرگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل نے سفر تبوک میں دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سفر میں موصوف معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

معاویہ موصوف پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جانے سے متعلق مذکورہ بالا حدیث کی بابت حافظ ابن حجر کا فیصلہ یہ ہے کہ:

"ان خبره قوی بالنظر الی مجموع طرقه" یعنی یہ حدیث اپنے متعدد طرق واسانید کے مجموعہ کے اعتبار سے قوی ہے" (فتح الباری کتاب الجنائز مطبوعہ سلفیہ ج ۳ ص ۱۸۸)

یہی بات حافظ ابن حجر نے اپنی دوسری کتاب لسان المیزان ترجمہ محبوب بن ہلال میں کہی ہے (ملاحظہ ہو لسان المیزان ج ۵ ص ۱۸)

حافظ ابن حجر کی طرح ان کے استاذ امام ہیثمی کے نزدیک اس حدیث کی ایک سند میں بقیہ بن الولید کی علت تدلیس کے علاوہ کوئی دوسری علت نہیں ہے (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۲) صاحب عون المعبود نے کہا کہ بقیہ بن الولید کی علت تدلیس دوسری سند کے ساتھ مزدی شدہ ایک اور روایت کے ذریعہ دور ہو گئی ہے کیونکہ اس سند کے مطابق بقیہ بن الولید نے تحدیث کی صراحت کر دی ہے (عون المعبود شرح سنن ابی داؤد کتاب الجنائز بحوالہ ابو احمد حاکم واصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر و میزان الاعتدال ولسان المیزان ترجمہ نوح بن عمرو السکسکی)

صاحب عون المعبود نے اس حدیث کو مجموعی اعتبار سے معتبر و قوی قرار دیا ہے۔ ہم اپنے طور پر اس سلسلے میں بحث و تمحیص اور تحقیق کے ذریعہ معاملہ کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔

معاویہ لیثی پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق روایت نوح بن عمرو

حافظ ذہبی نے کہا کہ:

" أخبرنا محمد بن عبد السلام الحلبي واحمد بن تاج الامناء سماعا من زينب الشعرية أن زاهر بن طاهر اخبرها قال اخبرنا محمد بن عبد الرحمن سنة احدى وخمسين واربعماة اخبرنا ابوالحسن احمد بن عمير بن جوصا حدثنا نوح بن عمرو بن حوى قال حدثنا بقية حدثنا محمد بن زياد عن ابى امامة قال اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم جبرئيل وهو بتبوك فقال يا محمد اشهد جنازة معاوية بن معاوية المزنى فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم فى اصحابه و نزل جبرئيل فى سبعين الفا من الملائكة فوضع جناحه الا يمن على الجبال فتواصف ووضع جناحه الايسر

علی الارضین فتواصف حتی نظرنا الی مکۃ والمدینۃ فصلی علیه رسول اللہ علیه وسلم وجبرئیل والملائکۃ فلما فرغ قال یا جبرئیل بما بلغ معاویۃ هذہ المنزلۃ قال بقرأۃ قل هو اللہ احد قائما و قاعدا و راکبا و ما شیا " (میزان الاعتدال ترجمۃ نوح بن عمرو السکسکی ج ۴ ص ۲۷۸ ولسان المیزان ج ۶ ص ۱۷۳ ترجمہ نوح بن عمر، عون المعبود (کتاب الجنائز بحوالہ ابواحمد حاکم واصابہ وغیرہ)

اس روایت کا حاصل معنی یہ ہے کہ سفر تبوک کے موقع پر حضرت جبرئیل کی خبر اور درخواست پر مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے معاویہ صحابی کی غائبانہ نماز جنازہ ہمارے رسول ﷺ نے صحابہ وملائکہ کے ساتھ پڑھی۔

اس حدیث کے ناقل صحابی حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی متوفی ۸۶ ھ سے اسے روایت کرنے والے تابعی محمد بن زیاد (الہانی حمصی ابوسفیان اوساط تابعین میں سے ثقہ وصدوق راوی ہیں موصوف الہانی صحیح بخاری کے صحیح رواۃ میں سے ہیں (عام کتب رجال ترجمہ محمد بن زیاد الہانی) اور محمد بن زیاد الہانی سے اس کے ناقل بقیہ بن الولید ابوالحمید کلاعی متوفی ۱۹۷ھ مشہور ومعروف ثقہ رواۃ میں سے ہیں البتہ موصوف بقیہ ثقہ ہونے کے باوصف مدلس تھے جن کی بلا تحدیث معنعن روایت غیر معتبر ہوتی ہے مگر مذکورہ بالا سند کے مطابق موصوف بقیہ نے اس حدیث کی نقل میں صریح تحدیث کردی ہے لہذا اس پر کوئی کلام نہیں۔ بقیہ صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہیں امام بخاری نے بھی تعلیقات صحیح بخاری میں ان سے روایت کی ہے۔ موصوف بقیہ فن حدیث کی بعض کتابوں کے مصنف تھے اور یہ عین ممکن ہے کہ موصوف کی کتاب ہی میں حدیث مذکور منقول ہو مگر چونکہ موصوف کی کتابوں تک ہماری رسائی نہیں اس لئے ہم ان کی کسی کتاب میں حدیث مذکور کی موجودگی کا دعوی نہیں کرسکتے۔ بقیہ موصوف سے اس روایت کے ناقل مندرجہ بالا سند کے مطابق نوح بن عمرو بن نوح سکسکی شامی ہیں۔

حافظ ابن حبان کے ذکر کردہ ترجمہ العلاء بن محمد ثقفی کے ایک مبہم بیان کا مطلب بعض لوگوں نے غلط فہمی کی بنا پر یہ سمجھ لیا کہ موصوف حافظ ابن حبان نے نوح سکسکی کو اس حدیث کا سرقہ کرنے والا کہا ہے مگر اس غلط فہمی کے شکار ان بعض لوگوں نے صیغۂ تمریض " یقال انه سرق هذا الحديث " کہہ کر اپنی بات کے ضعیف وغیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے (میزان ولسان المیزان ترجمہ نوح سکسکی) بہر حال موصوف نوح پر اس حدیث کے سرقہ کا الزام بے دلیل ہونے کی بنا پر ساقط الاعتبار ہے۔ نیز موصوف نوح سکسکی بقیہ سے اس کی نقل میں منفرد نہیں ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ " قد رواه جماعة من غير هذا الوجه وقد اشرت اليه في ترجمة محبوب بن هلال " (لسان المیزان ترجمہ نوح سکسکی ج ۶ ص ۱۷۶) اس کے باوصف ہم کو موصوف نوح سکسکی کی توثیق کی صراحت کسی امام فن سے نہیں مل سکی مگر موصوف حافظ ابن حبان اور ان جیسے لوگوں کے اصول کے مطابق ثقہ ہیں کیونکہ ان کا اصول یہ ہے کہ جس راوی پر جرح قادح نہ ثابت ہو اور اس سے ایک یا دو ثقہ رواۃ روایت حدیث کرتے ہوں وہ ثقہ ہے (مقدمہ ثقات ابن حبان ومقدمہ لسان المیزان للحافظ ابن حجر وعام کتب مصطلح حدیث) امام ابو حنیفہ کا اصول یہ ہے کہ ہر راوی عادل وثقہ ہے جب تک کہ اسکا مجروح ہونا ثابت نہ ہو جائے۔

حافظ ابن جوصا کا تعارف

اس اصل کو پیش نظر رکھئے تو نوح سکسکی سے روایت کرنے والوں میں ایک زیر نظر حدیث کے راوی ابو الحسن احمد بن عمیر بن یوسف بن موسیٰ بن جوصا شامی دمشقی مولود ۲۳۰ھ ہیں۔ انہیں حافظ ذہبی نے " الامام الحافظ الاوحد محدث الشام " کہا ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۵) ابو علی حافظ نے کہا " كان ركنا من اركان الحديث واماما من ائمة المسلمين قد جاوز القنطرة " (میزان الاعتدال ولسان المیزان ترجمہ ابن جوصا) حافظ ابو علی کی اس بات کا واضح مطلب ہے کہ موصوف نے

ابن جوصا کی توثیق کی ہے اور اشارہ کیا ہے کہ ان پر وارد ہونے والی جرح مرفوع وکالعدم ہے " قد جاوز القنطرة " کا یہی مطلب ہے۔ امام طبرانی نے کہا" ابن جوصا من ثقات المسلمین " (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۸) امام ذہبیؒ نے موصوف پر ہونے والی جرح کو کالعدم مانا ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۵ تا ۲۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۷۹۵ تا ۷۹۸ و میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۲۵) اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی (لسان المیزان ترجمہ ابن جوصا) پھر موصوف پر ہونے والی جرح مبہم بھی ہے امام دار قطنی نے "لیس بالقوی" کہا اسی طرح حمزہ بن یوسف نے بھی جرح کی مگر ثابت شدہ توثیق کے بالمقابل تجریح مبہم غیر موثر و کالعدم ہوا کرتی ہے۔

موصوف ابن جوصا کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۲ ص ۲۶ و عام کتب تراجم) اس لئے امید غالب ہے کہ موصوف ابن جوصا کی کسی کتاب حدیث میں یہ روایت موجود و منقول ہے۔

روایت طبرانی کا تذکرہ

حافظ ابن جوصا کے علاوہ نوح سکسکی سے اس حدیث کے ناقل حافظ علی بن سعید رازی ہیں جیسا کہ امام طبرانی نے کہا کہ:

" حدثنا علی بن سعید الرازی ثنا نوح بن عمرو السکسکی ثنا بقیة بن الولید عن محمد بن زیاد الالہانی عن ابی امامة قال کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتبوک فنزل علیہ جبرئیل فقال یا رسول اللہ ان معاویة مات بالمدینة الحدیث " یعنی ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی نے کہا کہ ہم لوگ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ آپ ﷺ پر حضرت جبرئیل کا نزول ہوا اور جبرئیل نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ معاویہ بن معاویہ مزنی مدینہ منورہ میں فوت ہوگئے کیا آپ ﷺ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لئے زمین سمیٹ دوں اور آپ ﷺ انکی نماز جنازہ پڑھیں؟ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ

پڑھائی (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۸۵۳۸ ج ۸ ص ۱۳۶ تا ۱۳۷ و معجم اوسط للطبرانی نمبر ۱۱۳۳ و مسند الشامیین للطبرانی ج ۲ ص ۱۲، ۱۳ حدیث نمبر ۸۳۱ و لسان المیزان ترجمہ نوح بن عمرو السکسکی ج ۶ ص ۱۷۴، ۱۷۵، اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ترجمہ معاویہ بن معاویہ لیثی، نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۳، ۲۸۴ و مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸ وغیرہ) روایت مذکورہ کو شیخ زیلعی نے تخریج احادیث ھدایہ نصب الرایہ میں اپنے حنفی مذہب کی تائید میں بطور دلیل نقل کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی کلام نہیں کیا اور نصب الرایہ پر حاشیہ چڑھانے والے حنفی حضرات نے اس روایت کی تصحیح کی طرف میلان ظاہر کرتے ہوئے مجمع الزوائد سے یہ عبارت نقل کی کہ:

"وفیه نوح بن عمرو قال ابن حبان یقال انه سرق هذا الحدیث قلت لیس هذا الضعف فی الحدیث وفیه بقیة وهو مدلس ولیس فیه علة غیر هذا" یعنی اس روایت کی سند میں نوح بن عمرو نامی راوی واقع ہیں جن کی بابت ابن حبان نے بصیغہ "یقال" کہا کہ موصوف نے یہ حدیث سرقہ کرلی مگر میں کہتا ہوں کہ یہ چیز حدیث کے لئے باعث ضعف نہیں البتہ اس کی سند میں بقیہ بن الولید مدلس ہیں اور انہوں نے اسے بیان کرنے میں تدلیس سے کام لیا ہے بس صرف یہی تدلیس ہی اس حدیث کی سند میں ایک علت ہے (حاشیہ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۳) ہم کہتے ہیں کہ طبرانی کی مسند شامیین میں علی بن سعید والی روایت میں بھی بقیہ نے تصریح تحدیث کردی نیز استیعاب لابن عبد البر میں بھی اس کی تصریح تحدیث ہے لہذا ہم کہتے ہیں کہ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر دوسری سند میں تدلیس کے بجائے تصریح تحدیث موجود ہو تو علت تدلیس ختم ہو جاتی ہے اور نوح بن عمرو کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر نے بعض ایسی روایت نقل کی ہیں جن میں بقیہ نے تحدیث کی صراحت کردی ہے (لسان المیزان ج ۶ ص ۱۷۴، ۱۷۵ ترجمہ نوح بن عمرو و عون المعبود کتاب الجنائز) اس لئے علت مذکورہ کالعدم ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی ہے۔

نوح کی بابت حافظ ابن حبان کی طرف حدیث مذکورہ کا سرقہ کرنے کی جو تجریح منسوب کی گئی ہے وہ محض شبہ اور وہم کی بات ہے کیونکہ حافظ ابن حبان نے اپنی کتاب المجروحین میں نوح کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ علاء بن محمد ثقفی نامی راوی کے ترجمہ میں حافظ ابن حبان نے صراحت یہ کیا ہے کہ:

" قد سرق هذا الحديث شيخ من اهل الشام فرواه عن بقية عن محمد بن زياد عن ابى امامة بطوله " یعنی معاویہ پر نماز جنازہ غائبانہ پڑھنے سے متعلق جو روایت علاء بن محمد ثقفی جیسے غیر ثقہ ساقط الاعتبار راوی نے بیان کی ہے اسے شام کے ایک شیخ نے سرقہ کر کے بقیہ عن محمد بن زیاد عن ابی امامۃ کی سند سے بیان کر دیا ہے (المجروحین ترجمہ علاء بن محمد ج ۲ ص ۱۸۱)

حالانکہ حافظ ابن حبان نے بقیہ بن الولید سے اس حدیث کے سرقہ کرنے والے شامی راوی کا نام نہیں لیا ہے بلکہ محض قیاس و ظن اور شبہ کی بنا پر اس شامی راوی کا نام بعض افراد نے نوح بن عمرو بتلایا ہے اور قیاس و ظن کی بنیاد پر کہی ہوئی اس بات کو بصیغۂ تمریض نوح کی بابت امام ابن حبان کی طرف منسوب کر کے خود اس ظنی بات کے قائل نے نوح کی بابت کلام ابن حبان کا مشکوک ہونا بلکہ ضعیف ہونا ظاہر کر دیا ہے۔ اسی بنا پر اس جرح کو حافظ ہیثمی نے " ليس بشئى " یعنی کالعدم کہا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن حبان سے موصوف کی بابت جرح مذکور ثابت نہیں (نیز ملاحظہ ہو المغنی للذہبی ج ۲ ص ۲۰۷)

ترجمہ علی بن سعید علیک رازی

امام ابن جوصا کے علاوہ نوح سکسکی سے اس حدیث کے راوی طبرانی کے مطابق امام علی بن سعید بن بشیر علیک رازی متوفی ۲۹۹ھ ہیں۔ موصوف کو امام مسلمہ بن قاسم نے " كان ثقة عالما بالحديث حدثنى عنه غير واحد " کہا (لسان المیزان ترجمہ علی بن سعید ج ۴ ص ۲۳۱) ابن یونس نے جو موصوف کی بابت یہ کہا کہ

" تكلموا فيه " لوگوں نے موصوف پر کلام کیا ہے وہ واضح نہیں ہے کہ موصوف علیک پر کس قسم کا کلام کن لوگوں نے کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے موصوف پر اس طرح کا غیر واضح کلام کیا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ موصوف نے سرکاری عہدہ قبول کر لیا تھا۔

موصوف علیک کو امام دار قطنی نے " لبس بذلك " کے لفظ کے ساتھ مجروح ٹھہرایا مگر اس کا سبب یہ تھا کہ موصوف نے حصول خراج و ٹیکس کے لئے ایک نامناسب کارروائی کی تھی (لسان المیزان و میزان الاعتدال و سیر اعلام النبلاء ترجمہ علی بن سعید بن بشیر) لیکن اس سے روایت حدیث میں موصوف کا غیر ثقہ ہونا لازم نہیں آتا جب کہ دوسروں نے موصوف کی توثیق کر رکھی ہے۔ حافظ ابن حجر کی اصطلاح میں ایسا راوی مقبول ہے یعنی متابع ملنے پر اس کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

الحاصل موصوف علی بن سعید بن بشیر علیک رازی جرح قادح سے محفوظ اور ثقہ راوی ہیں۔ ان دونوں کا بلکہ ان سے زیادہ کا نوح سکسکی سے روایت کرنا ثابت ہے لہذا حافظ ابن حبان وغیرہ کے اصول سے موصوف سکسکی ثقہ ہوئے۔ اور حافظ ابن حجر کے اصول سے مقبول ہوئے یعنی کہ متابع ملنے پر موصوف کی روایت معتبر ہوگی۔ پھر اس حدیث کی نقل میں نوح سکسکی منفرد نہیں ہیں جیسا کہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا۔

معاویہ پر غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق تیسری حدیث

متعدد معتبر طرق و اسانید سے مروی ہے کہ عثمان بن ہیثم بصری نے کہا کہ :

" حدثنا محبوب بن هلال المزني عن عطاء بن ابي ميمونة عن انس بن مالك نزل جبرئيل على النبي صلى الله عليه وسلم وهو بتبوك فقال يا محمد مات معاوية المزني بالمدينة الحديث " یعنی سند مذکور سے معاویہ مزنی کی غائبانہ نماز جنازہ آپ ﷺ کا پڑھنا مروی ہے (معجم کبیر للطبرانی ج ١٩ ص ٤٢٩، دلائل

النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۵۰، اسد الغابہ ج ۵ ص ۲۱۵، ۲۱۶، اصابہ ترجمہ معاویہ بن معاویہ، استیعاب لابن عبد البر ج ۳ ص ۴۲۳ تا ۴۲۵، نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۴ بحوالہ ابن سعد وغیرہ، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸)

حضرت انس صحابی سے اس حدیث کے ناقل عطاء بن ابی میمونہ صحیحین کے راوی ہیں (عام کتب رجال) اس لئے موصوف کا ثقہ ہونا نا قابل بحث و نظر ہے البتہ محبوب بن ہلال جو عطاء موصوف سے اس روایت کے ناقل ہیں قابل بحث و نظر ہیں۔ انہیں حافظ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ثقات ابن حبان مطبوعہ حیدر آباد ج ۷ ص ۲۲۵ و لسان المیزان ج ۵ ص ۱۸)

محبوب کی بابت امام ابو حاتم رازی نے کہا "لیس بالمشہور" (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۷ ص ۵۲۹) یعنی کہ موصوف محبوب مشہور راوی نہیں ہیں مگر یہ معلوم ہے کہ مشہور نہ ہونا غیر ثقہ ہونے کو مستلزم نہیں بعض نہیں بلکہ بہت سارے ثقہ رواۃ غیر مشہور ہیں۔ پھر موصوف محبوب کی روایت کردہ زیر نظر حدیث کی نقل میں محبوب منفرد نہیں بلکہ ان کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں جیسا کہ بعض کا ذکر ہوا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محبوب کے ترجمہ میں اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

"له طرق يقوى بعضها بعضا الخ" (لسان المیزان ترجمہ محبوب)

جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے متابع و شواہد سے مل کر حدیث مذکور قوی و معتبر ہو جاتی ہے۔ محبوب سے روایت مذکورہ کے ناقل ایک سے زیادہ ثقہ رواۃ ہیں لیکن موصوف سے اس روایت کے ناقلین میں سے جس عثمان بن ہیثم کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ہیں اور عام اہل علم نے موصوف کی توثیق و تعدیل کی ہے۔ موصوف محبوب اتباع تابعین میں سے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ اس

زمانہ میں بقول نبوی جھوٹ کا رواج عام نہیں ہوا تھا اور موصوف اس حدیث کی نقل میں بقیہ بن الولید کے ہم طبقہ ہیں یعنی کہ دونوں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں۔ اور بقیہ کا ثقہ ہونا اور اس حدیث کو بصیغہ تحدیث نقل کرنا واضح کیا جا چکا ہے لہذا ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے ان دونوں حضرات کی نقل کردہ حدیث مذکور کے معتبر ہونے میں کلام نہیں رہ جاتا۔

تنبیہ

محبوب بن ھلال کی توثیق ابن حبان نے بالصراحت نہیں کی ہے بلکہ ان کا ذکر اپنی کتاب ثقات میں کر دیا ہے اور کسی دوسرے امام جرح و تعدیل سے موصوف کی بالصراحت توثیق ہم کو نظر نہیں آئی اس لئے موصوف محبوب حافظ ابن حجر کی اصطلاح کے مطابق "مقبول" راوی ہوئے یعنی متابع ملنے کی صورت میں موصوف کی روایت معتبر ہوگی اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان کی معنوی متابعت بقیہ بن الولید نے کر رکھی ہے لہذا یہ حدیث معتبر ہے۔

معاویہ کی غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق ایک اور سند

امام ابو یعلی موصلی نے کہا کہ:

" حدثنا محمد بن ابراهيم العبدی بعبدان حدثنا عثمان بن الهيصم العبدی موذن مسجد الجامع بالبصرة عن محمد بن عبد الله عن عطاء بن ابی ميمونة عن انس بن مالك الخ" (زوائد مسند ابی یعلی حدیث نمبر ۳۶۸ ص ۴۱۵، ۴۵۲)

مذکورہ بالا سند کے مطابق یہ حدیث عطاء بن ابن میمونہ نے حضرت انس سے نقل کی ہے جن کا تذکرہ آچکا ہے کہ موصوف صحیحین کے راوی ہیں۔ اس سند کے مطابق عطاء سے اس حدیث کے راوی محمد بن عبد اللہ ہیں۔ یعنی کہ محمد نے اسے عطاء سے نقل کرنے میں محبوب بن ہلال کی متابعت کر رکھی ہے۔ مگر محمد اسے بیک واسطہ

نقل کرنے والے محمد بن ابراہیم عبدی کا ترجمہ ہمیں نہیں ملا پھر بھی اس روایت سے محبوب والی روایت کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

نیز حافظ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے کہ اس حدیث کی کئی متصل اور مرسل سندیں ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ ہم اس روایت کے تمام طرق کو نقل کر کے ان پر بحث نہیں کرنا چاہتے کیونکہ اختصار ہمارے پیش نظر ہے۔

ذیل میں ہم اس حدیث کی ایک مرسل سند پیش کر رہے ہیں۔ جس سے بہر حال اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث قوی ہے۔

حضرت امام بصری کی مرسل روایت

امام طبرانی نے کہا ہے کہ:

" حدثنا احمد بن زهير ثنا احمد بن منصور ثنا يونس بن محمد المعلم ثنا صدقة بن ابى سهيل عن يونس بن عبيد عن الحسن عن معاوية الخ (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۱۰۴۱ ج ۱۹ ص ۴۲۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸)

مذکورہ بالا حدیث کی بابت امام ہیثمی نے کہا کہ " وفيه صدضة ابن ابى سهل ولم اعرفه وبقية رجاله ثقات " یعنی اس حدیث کی سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں صرف ایک راوی صدقہ بن ابی سہل سے میں واقف نہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۸)

ہم کہتے ہیں کہ موصوف صدقہ کو امام ابن معین اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے (لسان المیزان ص ۱۸۶ ج ۳) یہ حدیث مرسل ہے مگر حسن بصری تک اس کی سند معتبر ہے اور مرسل حدیث اگر کسی دوسری ضعیف سند سے متصلا مروی ہو تو امام شافعی اور عام اہل علم کے نزدیک معتبر قرار پاتی ہے اور احناف کے نزدیک تو مرسل حدیث مطلقا حجت ہوا کرتی ہے۔ (عام کتب مصطلح حدیث)

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت معاویہ بن معاویہ پر غائبانہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا ثابت شدہ حقیقت ہے اس لئے بعض لوگوں کا یہ دعوی باطل اور غلط در غلط ہے

کہ غائبانہ نماز جنازہ صرف نجاشی شاہ حبشہ پر نبی ﷺ نے پڑھی تھی اور کسی کی بھی نہیں پڑھی اور یہ کہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ کا پڑھا جانا نجاشی کی خصوصیت ہے اس تفصیل سے ان سارے لوگوں کی تغلیط ہوتی ہے جو معاویہ کی نماز جنازہ غائبانہ سے متعلق روایات کو مطلقاً غیر صحیح و غیر معتبر کہتے ہیں۔ نیز ایک بات مانعین غائبانہ نماز جنازہ یہ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے زمین کو کھینچ کر معاویہ بن معاویہ کی لاش کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کر دیا تھا تب آپ ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی تھی لہذا یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوئی (عام کتب احناف)

ہم کہتے ہیں کہ بطور معجزہ اگر معاویہ موصوف کی لاش کا رسول ﷺ کے سامنے کر دیا جانا ثابت ہو تو بھی اس سے غائبانہ نماز جنازہ کی مشروعیت کی ممانعت ہماری پیش کردہ گذشتہ تفصیل کے مطابق ثابت نہیں ہوتی۔

ایک اور بات مانعین نماز جنازہ غائبانہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کہ اگر غائبانہ نماز جنازہ مشروع رہی ہوتی تو مدینہ پر فوت ہو جانے والے معاویہ موصوف کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے تبوک میں ہمارے نبی ﷺ سے حضرت جبرئیل یہ نہ کہتے کہ " اتحب أن تصلى على معاوية الحديث" یعنی کیا آپ ﷺ معاویہ پر نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو میں ان کیلئے زمین کو سمیٹ دوں؟ اس پر آپ ﷺ نے صحابہ اور فرشتوں کے ساتھ موصوف کی نماز جنازہ پڑھی (اعلاء السنن کتاب الجنائز)

ہم کہتے ہیں کہ معاویہ موصوف جلیل القدر صحابی تھے مدینہ منورہ میں جب وہ فوت ہوئے تو ظاہر ہے کہ اہل مدینہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھ کر مدینہ منورہ میں دفن کر دیا اور یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے ایک بار جب کسی میت کی نماز جنازہ پڑھ لی گئی تو جن لوگوں نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی ان کے لئے یہ نماز فرض نہیں رہ گئی۔ بلکہ صرف سنت مستحب رہ گئی لہذا حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اگر چاہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں مطلب یہ کہ نماز جنازہ غائبانہ سنت و مستحب ہے آدمی چاہے تو پڑھ سکتا ہے ورنہ اس میں میت کا نمازی کے سامنے

حاضر و غائب ہونے کی کوئی تفریق نہیں ہے جیسا کہ تفصیل گذری مگر ایک مشکل فقہائے احناف کے سامنے یہ ہے کہ ان کے مذہب میں جس میت کی نماز جنازہ ایک بار پڑھ لی گئی ہو اس پر دوبارہ نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں خواہ میت نمازیوں کے سامنے موجود ہی کیوں نہ ہو۔ حالانکہ احناف کا یہ موقف سراسر حقائق ثابتہ کے خلاف ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

تنبیہ

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ہمارے رسول ﷺ نے اس لئے پڑھی تھی کہ وہ ملک حبشہ میں اپنا ایمان مخفی رکھتے تھے اور ان کی موت ہونے پر وہاں کے لوگوں نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی ہی نہیں تھی بلکہ موصوف کو نماز جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا گیا تھا اس لئے یہ حدیث صرف اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں اسے نماز جنازہ پڑھے بغیر ہی دفن کر دیا گیا تو اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ مگر بہر حال کچھ لوگ مطلقا غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ہیں۔ اور کچھ لوگ کسی اہم آدمی کی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل ہیں مگر ہر کس و ناکس کی غائبانہ نماز جنازہ کے قائل نہیں ـــــ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ نجاشی بہت بڑے اور اہم آدمی تھے ویسے مدینہ منورہ سے باہر عہد نبوی میں بہت سارے مسلمان مرتے رہتے ہوں گے لیکن کسی اور کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا آپ ﷺ سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ ساری تاویلات و توجیہات و تعلیلات نص کے مقابلہ میں بے دلیل ہونے کے سبب بے وزن ہیں۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حبشہ کا حکمراں نجاشی جس نے بھرے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی موجودگی میں تمام نصرانی وزراء و امراء کے سامنے علی الاعلان اسلام کی صداقت اور رسول کی باتوں

کے درست ہونے کا اعتراف واقرار کیا اس کا ایمان واسلام مخفی ہو اور اسے لوگوں نے نماز جنازہ پڑھے بغیر اسلامی طریق پر دفن کر دیا ہو اور اللہ تعالی نے بذریعہ وحی اس کی خبر آپ ﷺ کو نہ دی ہو کہ اس مسلم حکمراں کی تدفین نماز جنازہ پڑھے بغیر کر دی گئی ہے اس لئے آپ ﷺ یہاں مدینہ منورہ میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھئے آپ ﷺ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی توجیہ و تعلیل یہ کہکر کی تھی کہ تمہارا مسلمان بھائی دور دراز والے دوسرے ملک میں فوت ہو گیا ہے اس لئے دور دراز دوسرے ملک میں فوت ہو جانے والے اپنے بھائی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو یعنی کہ اسقدر دوری کے باعث چونکہ تم سب موصوف کی حاضرانہ نماز جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتے ایسا ممکن نہیں بلکہ اس زمانہ کے اعتبار سے محال ہے لہذا موصوف کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھو! اتنی واضح تعلیل و توجیہ نبوی کے ہوتے ہوئے بے وزن تاویلات سے کام لیکر اس حدیث پر عمل سے راہ فرار اختیار کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ مذکورہ بالا تاویل و توجیہ نجاشی کے بارے میں تو چل سکتی ہے حالانکہ یہ بھی مستبعد اور خلاف تحقیق محض ظنی و قیاسی چیز ہے مگر معاویہ موصوف کی وفات مدینہ منورہ میں ۹ھ میں ہوئی تھی جہاں بکثرت مسلمان موجود تھے اور کوئی شک و شبہ نہیں کہ مدینہ منورہ میں اہل اسلام نے معاویہ موصوف کی تجہیز و تکفین و تدفین اسلامی طریق پر کی ہو گی اور موصوف کی نماز جنازہ ضرور ہی پڑھی ہو گی۔ اس کے باوجود موصوف کی نماز جنازہ غائبانہ مدینہ منورہ سے دور آپ ﷺ کا پڑھنا غائبانہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے کی واضح دلیل ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں موجودگی کے باوجود بھی بعض اوقات مر جانے والوں کی تجہیز و تکفین کی اطلاع آپ ﷺ کو دئے بغیر آپ ﷺ کے بلا بلائے میت کی نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا کرتے تھے اس کی خبر آپ ﷺ کو بعد میں ہوتی تھی اور آپ ﷺ اس کی قبر پر جا کر صحابہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھتے تھے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ سفر میں تھے کہ مشہور صحابی حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور موصوفہ کو لوگوں نے اسلامی رسوم کے مطابق نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ سفر سے ایک عرصہ کے بعد آپ ﷺ واپس آئے تو حضرت سعد کی درخواست پر آپ ﷺ نے والدہ سعد کی قبر پر جاکر نماز جنازہ پڑھی۔ اگر مدینہ منورہ سے باہر آپ ﷺ کو والدہ سعد کی موت کی خبر ہوئی ہوتی اور آپ ﷺ سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی درخواست کی گئی ہوتی تو ہم یہی سمجھتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے حضرت معاویہ موصوف کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی اسی طرح ان کی پڑھتے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کوئی اہم آدمی جو نجاشی کی طرح ہو اس کی غائبانہ نماز جنازہ تو پڑھی جائے ورنہ نہیں عجیب ہے کیونکہ ہر مسلمان آدمی ہونے کے اعتبار سے یکساں حقوق رکھتا ہے شرعی مسائل میں بڑے چھوٹے اور اہم و غیر اہم کی اس طرح کی تفریق نامناسب ونامعقول ہے۔ اسلام کی جملہ خصوصیات میں سے ایک بڑی خصوصیت مساوات اور عدم امتیاز کی ہے۔ ہاں جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ نماز جنازہ بذات خود فرض کفایہ ہے ایک بار پڑھ چکنے کے بعد فرض نہیں رہ جاتی غائبانہ یا حاضرانہ طور پر ایک سے زیادہ مرتبہ اس کی نماز جنازہ کا پڑھنا صرف مسنون و مستحب اور کار فضیلت ہے جس کا جی چاہے وہ حصول ثواب اور حصول فضیلت کے لئے اس پر عمل کرے مگر اس کے مسنون و مشروع ہونے سے انکار بلا دلیل ہے۔ ہر مسلمان کو بلا دلیل کسی منصوص چیز کے انکار سے اجتناب واحتراز کرنا لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق دے کہ تمام ثابت شدہ احادیث کو مانیں اور ان کے مقتضی پر حتی الوسع عمل کریں۔ آمین یارب العالمین۔

حضرت زید بن حارثہ اور جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ غائبانہ

امام المغازی محمد بن عمر واقدی اسلمی نے کہا کہ:

" حدثنی محمد بن صالح عن عاصم بن عمر بن قتادة حدثنی عبد

الجبار بن عمارة عن عبد الله بن ابی بکر قال لما التقی الناس بموتة جلس رسول الله صلی الله علیه وسلم علی المنبر وکشف له ما بینه وبین الشام فهو ینظر الی معرکتهم فقال علیه السلام اخذ الرایة زید بن حارثة فمضی حتی استشهد وصلی علیه وعاله وقال استغفروا له وقد دخل الجنة وهو یسعی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشهد فصلی علیه رسول الله صلی الله علیه وسلم وعاله وقال استغفروا له ودخل الجنة فهو بطر فیها بجناحیه حیث شاء " یعنی جنگ موتہ میں جب قتال ہوا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے تھے اور آپ ﷺ کے لئے ملک شام کو جہاں یہ جنگ ہو رہی تھی بطور معجزہ ظاہر کر دیا گیا لہذا آپ ﷺ اس جنگ کا مشاہدہ کرتے رہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اسلامی پرچم زید بن حارثہ نے تھام رکھا ہے موصوف زید جنگ کرتے رہے حتی کہ شہید ہو گئے آپ نے زید کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی اور دعا کی اور سبھی لوگون سے کہا کہ تم بھی ان کے لئے استغفار کرو یعنی نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھو اسی طرح اس معرکہ میں جعفر بن ابی طالب بھی شہید ہو گئے اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ بھی آپ ﷺ نے پڑھی اور لوگوں کو اس کا حکم دیا (نصب الرایہ بحوالہ کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۲۸۴ والبدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۸۱،۲۸۲)

جیسا کہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں مذکورہ بالا روایت امام المغازی محمد بن عمر واقدی نے اپنی بیان کردہ سند کے ساتھ نقل کی ہے مگر ہم عرض کر آئے ہیں کہ علوم اسلامیہ خصوصا علوم مغازی میں غیر معمولی مہارت و شہرت رکھنے کے باوصف موصوف واقدی غیر ثقہ حتی کہ کذاب اور وضاع راوی ہیں۔ موصوف نے مندرجہ بالا اپنی بیان کردہ حدیث کے لئے جو سند ذکر کی ہے اس کے سبھی رواۃ معتبر و ثقہ ہیں مگر موصوف واقدی بذات خود غیر ثقہ ہیں اس لئے یہ روایت اس سند کے ساتھ ساقط الاعتبار ہے اور ہم کو نہیں معلوم ہو سکا کہ واقدی کے علاوہ کسی معتبر و ثقہ راوی نے یہ

روایت نقل کی ہے۔ ہماری معلومات نہ ہونے سے بہر حال یہ لازم نہیں آتا کہ اس معنی و مفہوم کی کوئی معتبر روایت نہ بھی ہو پھر بھی ہم نے واقدی کی ذکر کردہ اس روایت کا تذکرہ محض بر سبیل تذکرہ کیا ہے اسے حجت و دلیل کے طور پر ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ البتہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔

اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ مدینہ منورہ سے کافی دور واقع ہونے والے معرکۂ موتہ میں شہادت پائے ہوئے کچھ حضرات یعنی حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب کی نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ـــ ہمارے نزدیک تو یہ روایت واقدی فی نفسہ حجت نہیں ہے مگر جو لوگ واقدی کو معتبر مانتے ہیں اور موصوف کی روایات کو اپنے موقف پر دلیل بنانے کے عادی ہیں ان کے خلاف ضرور حجت ہے۔ واقدی کو متعدد حضرات نے وضاع و کذاب کہا ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے مگر بعض علمائے جرح و تعدیل سے موصوف کی توثیق بھی منقول ہے۔ خطیب کی تاریخ بغداد اور دیگر کتب جرح و تعدیل ترجمہ واقدی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

غزوۂ موتہ در اصل ملک شام میں پیش آیا تھا جہاں رومیوں یعنی یورپ کا سامراج تھا یہ جنگ در حقیقت اسلام اور نصرانیت کی جنگ تھی۔ ابتداء میں رومی عیسائی فوج بری طرح شکست کھا گئی تھی پھر رومیوں کا پلہ بھاری ہو گیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے نامزد کردہ تین سپہ سالار زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ بھی شہید ہو گئے اور بہت خون ریز جنگ ہوئی پھر اسلامی فوج کی قیادت حضرت خالد بن الولید سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے سنبھالی اور مسلمانوں کا غلبہ ہوا ـــ عام کتب تاریخ و سیر و مغازی میں مذکور شدہ تفاصیل کا یہی حاصل ہے۔

یہ معلوم ہے کہ غزوۂ موتہ ۸ھ میں پیش آیا تھا (ملاحظہ ہو فتح الباری باب غزوہ موتہ من ارض الشام ج ۷ ص ۵۱۰، ۵۱۱ والبدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۷۸ تا ۲۸۵ وعام کتب سیر و تاریخ و مغازی)

مصنف نصب الرایہ نے کہا کہ شہدائے مذکورین پر آپ ﷺ کی نماز جنازہ

غائبانہ پڑھی جانے سے متعلق روایت واقدی مرسل ہے مگر مرسل حنفی مذہب میں حجت ہے اور عام دیوبندی لوگ واقدی کو معتبر مانتے ہیں بہر حال واقدی کے اس بیان کے معارض کوئی بات ثابت نہیں اور کسی بھی نص شرعی میں غائبانہ نماز جنازہ کی ممانعت نہیں کی گئی ہے۔ البتہ اس کے اثبات میں دلائل موجود ہیں۔

تنبیہ

یہ معلوم ہے کہ قرآنی آیت " استغفرلہم او لا تستغفرلہم " پ ۱۰ سورۃ توبہ : ۸۰) اور " سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم " (پ ۲۸ سورۃ المنافقون : ٦) کے معنی و مفہوم میں نماز جنازہ بھی داخل ہے اور آپ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شاہ حبشہ نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا تھا تو اپنے اس حکم کے لئے جو الفاظ استعمال کئے تھے ان میں جہاں " صلوا علی اخیکم " کے الفاظ وارد ہیں وہیں " استغفروا لاخیکم " کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں۔ (رواہ الامام احمد فی مسندہ ج ۴ ص ۲۶۰ و ۲۶۳ بسند حسن ورواہ الامام البخاری فی صحیحہ فی باب الصلوۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ج ۱ ص ۷۷ او الامام مسلم فی ابواب الجنائز مع شرحہ النووی ج ۱ ص ۳۰۹ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً) جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ حدیث نبوی میں اس موقع پر استغفار کا لفظ نماز جنازہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور بعینہ یہی الفاظ نبی ﷺ کا حضرت زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ کی خبر موت دیتے وقت استعمال کرنا ثابت ہے چنانچہ لشکر موتہ کے سلسلے میں مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

" الا اخبرکم عن حبیشکم هذا الغازی انهم انطلقوا فلقوا العدو فاصیب زید شهیدا فاستغفروا له فاستغفر له الناس ثم اخذ اللواء جعفر بن ابی طالب فشد علی القوم حتی قتل شهیدا اشهد له بالشهادة فاستغفروا له ثم اخذ اللواء عبد الله بن رواحة فاثبت قدمیه حتی قتل شهیدا فاستغفروا

لہ الحدیث .. یعنی میں تم لوگوں کو اس غزوہ کرنے والے لشکر کے بارے میں کیا یہ خبر نہ کروں کہ اس کے فوجی وسپاہی روانہ ہوئے اور دشمن سے انہوں نے جنگ کی اس میں زید بن حارثہ شہید ہوگئے لہذا تم ان کے لئے استغفار ودعائے مغفرت کرو چنانچہ لوگوں نے موصوف زید کے لئے استغفار ودعائے مغفرت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے بعد پرچم اسلام جعفر بن ابی طالب نے اٹھایا اور دشمن پر انہوں نے سخت حملہ کیا یہاں تک کہ موصوف جعفر بھی شہید ہوگئے میں موصوف جعفر کی شہادت کی گواہی دیتا ہوں لہذا تم ان کے لئے بھی استغفار کرو ان کے بعد اسلامی لشکر کا جھنڈا عبداللہ بن رواحہ نے تھاما اور ثبات قدمی کے ساتھ موصوف جنگ کرتے رہے حتی کہ موصوف بھی شہید ہوگئے لہذا تم ان کے واسطے بھی استغفار کرو چنانچہ سبھی لوگوں نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی الخ (اخرجہ الامام احمد بسند صحیح ج۵ ص۲۹۹ وص۳۰۰ وص۳۰۱)

اس حدیث صحیح سے استغفار بمعنی نماز جنازہ مراد لے کر جیسا کہ مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور نجاشی والی حدیث سے استغفار سے نماز جنازہ مراد لیا گیا ہے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ واقدی والی ساقط الاعتبار روایت کی یہ معنوی متابع وشاہد ہے۔ اس سے یہ استدلال ممکن ہو جاتا ہے کہ ان شہدائے جنگ موتہ کی غائبانہ نماز جنازہ حکم نبوی کے مطابق پڑھی گئی تھی۔ اس اعتبار سے حدیث مذکور کو غائبانہ نماز جنازہ کے مشروع ہونے پر دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہمارا اپنے موقف پر اصل استدلال نجاشی پر حکم نبوی کے مطابق پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے واقعہ سے ہے اور یہ واقعہ متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے جس سے احناف کے یہاں بھی علم یقین حاصل ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ یعنی نجاشی پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جانے کے واقعہ کے وقوع سے کسی کو بھی مجال انکار نہیں ہے البتہ اس سے مستفاد ہونے والے حکم غائبانہ نماز جنازہ کو تسلیم کرنے سے کچھ لوگوں کو انکار ہے اور یہ انکار محض بے بنیاد اور ناقابل قبول تاویلات وتوجیہات پر قائم

ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ نجاشی پر حکم نبوی کے مطابق پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ کے واقعہ سے تمام کے تمام لوگ مختلف قسم کے مسائل کا استنباط واستخراج کرتے اور اس واقعہ کو اپنے اختیار کردہ موقف کی دلیل قرار دیتے ہیں مثلاً خبر مرگ دینے کے جواز پر اس واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ جاہلی رسم کی آمیزش کے بغیر کسی آدمی کے مرنے کی خبر دی جا سکتی ہے بلکہ بعض اوقات خبر مرگ کا دینا ضروری ہوا کرتا ہے نیز اس واقعۂ نماز جنازہ غائبانہ سے اس بات پر بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں مشروع ہیں۔ بلکہ اس سے بعض لوگ چار سے زیادہ تکبیروں کے منسوخ ہونے پر بھی استدلال کرتے ہیں اور وجہ استدلال یہ بتلاتے ہیں کہ نجاشی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے اپنی عمر کے اواخر میں یعنی ۹ھ میں پڑھائی تھی۔

نجاشی پر پڑھی جانے والی غائبانہ نماز جنازہ سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہے کہ پنجگانہ نمازوں والی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آپ ﷺ قبرستان سے قریب نماز جنازہ پڑھی جانے والی جگہ گئے تھے مسجد نبوی ہی میں آپ ﷺ نے یہ غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ بعض لوگ تو پنجگانہ نمازوں والی مسجدوں میں نماز جنازہ پڑھنے کو ناجائز و غیر مشروع کہتے ہیں جب کہ سہل بن بیضاء مشہور صحابی کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے مسجد ہی میں پڑھی تھی نیز حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ اور حضرت عمر فاروق کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھی گئی تھی جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے۔

غائبانہ نماز کو مشروع ماننے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ ایک ہی میت کی متعدد بار نماز جنازہ مختلف جماعتوں کے ساتھ لوگ پڑھیں اور ایسا کرنے سے بعض فقہائے احناف منع کرتے ہیں (عام کتب حنفی) حالانکہ مناقب ابی حنیفہ میں بطور فخر کہا گیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نماز جنازہ چھ مرتبہ پڑھی گئی اس کی تفصیل ہماری کتاب اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات میں ہے۔

ایک ہی میت پر ایک سے زیادہ مرتبہ نماز جنازہ کی مشروعیت کا ثبوت احادیث نبویہ میں موجود ہے ہم اس جگہ بعض کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔

ایک میت پر ایک سے زیادہ بار نماز جنازہ کی مشروعیت

مشہور حنفی محدث علامہ جمال الدین ابن محمد عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ نقل کرتے ہیں کہ:

" عن یزید بن ثابت (وھو اخو زید بن ثابت وکان یزید اکبر من زید) قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذا ھو بقبر فسأل عنہ فقالوا فلانۃ فعرفھا فقال الا آذنتمونی بھا ؟ قالوا کنت قائلا صائما قال فلا تفعلوا لا اعرفن ما مات منکم میت ما کنت بین اظھرکم الا آذنتمونی بہ فان صلوتی علیہ رحمۃ قال ثم اتی القبر فصففنا خلفہ وکبر علیہ اربعا " یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری کے بڑے بھائی یزید نے کہا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکل کر چلے جب آپ ﷺ جنۃ البقیع (مدینہ منورہ کے قبرستان) پہنچے تو وہاں آپ ﷺ نے ایک نئی قبر دیکھی آپ ﷺ نے اس قبر کی بابت پوچھا تو آپ ﷺ کو لوگوں نے بتلایا کہ یہ فلاں خاتون کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے اطلاع دئے بغیر اسے دفن کیوں کر دیا؟ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ روزہ رکھے ہوئے تھے اور قیلولہ فرمارہے تھے ہم لوگوں نے آپ ﷺ کو اطلاع دئے بغیر اسے اس لئے دفن کر دیا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ جب تک میں تم میں موجود ہوں تب تک جو آدمی بھی تم میں سے فوت ہو اس کی خبر مجھے ضرور بالضرور کر دیا کرو کیونکہ میں جس میت کی نماز جنازہ پڑھ دوں گا اس کے اوپر میری پڑھی ہوئی نماز جنازہ باعث رحمت ہوگی پھر آپ ﷺ اس کی قبر کے پاس آئے اور ہم نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے صف لگائی پھر آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جس میں چار تکبیریں کہیں۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی المستدرک ج ۳

ص ۵۹۱ والنسائی فی باب الصلوۃ علی القبر ج ۱ ص ۲۸۴ وابن ماجۃ ص ۱۱۱ والطحاوی فی شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۹۵ والامام احمد فی المسند ج ۴ ص ۳۸۸ والبیہقی فی السنن الکبری ج ۴ ص ۴۸ وابن ابی شیبہ فی المصنف ج ۴ ص ۱۵۰ قال العلامہ ناصر الدین الالبانی سندہ صحیح، ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۸۵ حدیث نمبر ۷۳۶)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں نے ہمارے رسول ﷺ کو خبر کئے بغیر ایک خاتون پر نماز جنازہ پڑھ کر دن میں فن کر دیا تھا دوسرے دن آپ ﷺ کو قبرستان میں اس کی قبر نظر آئی تو آپ ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا پھر آپ نے اس کی قبر ہی پر نماز جنازہ اپنے عام اصحاب کے ساتھ پڑھائی۔ دوبارہ نماز پڑھنے والوں میں وہ حضرت بھی تھے جو دفن سے پہلے اس خاتون کی نماز جنازہ پڑھ چکے تھے۔ اور جب قبر پر دوبارہ نماز جنازہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحاب نے پڑھی تو دفن سے پہلے بدرجہ اولی وہ لوگ اس میت کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں جو کسی باعث اس کی نماز جنازہ میں پہلی بار نہیں شریک ہو سکتے تھے نیز اس حدیث سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ پہلی بار نماز جنازہ میں شریک ہونے والے بھی اس میت کی پڑھی جانے والی دوسری مرتبہ کی نماز جنازہ میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو کر نماز پڑھ سکتے ہیں جو پہلی بار نہ پڑھ سکنے کے سبب دوسری بار پڑھ رہے ہوں۔

اس طرح کی نماز جنازہ آپ ﷺ نے متعدد بار مختلف مردوں اور عورتوں کی پڑھی ہے حتی کہ امام احمد نے فرمایا کہ:

” من یشك فی الصلوة علی القبر ویروی عن النبی صلی الله علیه وسلم من ستة وجوه کلها حسان “ یعنی قبر پر نماز جنازہ کی مشروعیت میں کسے شک ہو سکتا ہے جب کہ چھ حسن سندوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پر نماز جنازہ پڑھی ہے“ (منار السبیل ص ۱۷۳)

تحقیق پسند اور طالبین تفصیل ارواء الغلیل ج ۳ ص ۱۸۳ تا ۱۸۶ ملاحظہ

فرمائیں۔

والدہ سعد بن عبادہ کی قبر پر نبوی نماز جنازہ

حضرت سعید بن المسیب جیسے عظیم ترین تابعی سے بسند صحیح مروی ہے کہ:

"ان ام سعد ماتت والنبی صلی اللہ علیہ وسلم غائب فلما قدم صلی علیہا وقد مضی لذلك شهر وفی روایة فلما قدم اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی احب ان تصلی علی ام سعد فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبرها وصلی علیہا یعنی مدینہ منورہ سے نبی ﷺ کے عدم موجودگی کے زمانہ میں ام سعد کا انتقال ہو گیا جب آپ ﷺ واپس آئے تو ان کی موت کو ایک مہینے کا عرصہ گذر چکا تھا حضرت سعد بن عبادہ خدمت نبویہ میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ام سعد کی نماز جنازہ پڑھ دیں چنانچہ آپ ﷺ موصوفہ کی قبر پر آئے اور آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی۔ (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۹۳ وابن ابی شیبۃ فی المصنف ج ۴ ص ۱۴۹ والبیہقی فی السنن الکبری ج ۴ ص ۴۸)

یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں مرسل حدیث مطلقاً حجت ہے اور جمہور اہل علم کے نزدیک خصوصاً امام شافعی کے نزدیک کبار تابعین کی روایت کردہ مرسل حدیث بعض ایسی شرائط کے ساتھ حجت ہے جو زیر بحث حدیث میں موجود ہیں۔ ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مرسل حدیث کسی متصل سند والی حدیث سے تائید یافتہ ہو اور یہ حدیث ابن عباس سے متصل سند کے ساتھ بھی مروی ہے (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۸) اس کی سند مین بعض قسم کی ہلکی پھلکی علل قادحہ ہیں جو امام سعید بن المسیب والی مرسل حدیث نیز اس کی ہم معنی دوسری احادیث کی متابعت کے سبب معتبر ہو جاتی ہے۔ ان باتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایک میت کی نماز جنازہ ایک سے زیادہ بار پڑھی جاسکتی ہے اور یہ کہ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر کوئی بھی شرعی مانع نہیں ہے اور شریعت کے نصوص عامہ سے ہر مومن میت کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ہے اس سے

کسی حاضر وغائب میت کو اسی صورت میں مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جس کے مستثنیٰ کئے جانے پر دلیل شرعی موجود ہو اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ جنازہ غائبانہ کے عدم جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود نہیں بلکہ جواز پر دلائل موجود ہیں۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ البتہ ایک مرتبہ ہر میت کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس کے بعد غائب یا حاضر میت کی نماز جنازہ فرض نہیں رہ جاتی ہے بلکہ سنت و مستحب رہتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پنجگانہ نمازوں میں سے ہر نماز کے لئے شریعت میں اجازت موجود ہے کہ ایک بار اسے پڑھ چکنے کے بعد آدمی اسے دوسری بار اس صورت میں پڑھ سکتا ہے کہ وہ نماز جماعت سے ہو رہی ہو۔ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ تحقیق پیش کرنی ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

اس میں شک نہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ کے مانعین کے پاس کوئی بھی ایسی شرعی دلیل نہیں جس میں صراحت ہو کہ شریعت نے نماز جنازہ غائبانہ سے منع کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ عہد نبوی میں مدینہ منورہ سے باہر کتنے مسلمان فوت ہوتے رہے مگر یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے سب کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی لیکن اولاً یہ بات معلوم ہے کہ عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا ثانیاً جس فرض نماز کو ایک بار پڑھ لیا گیا اس کا وجوب ساقط ہو گیا کسی بھی باعث اسے دوبارہ پڑھا جانا صرف سنت و مستحب رہتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ سنت و مستحب امور کو ترک کر دینا جائز ہے مگر اس ترک کو اس بات کی دلیل قرار دے لینا کسی طرح صحیح نہیں کہ فعل مذکور سنت و مستحب و مباح بھی نہیں ہے۔ اس لئے مانعین نماز جنازہ غائبانہ کی بات مسموع نہیں ہو سکتی۔

کچھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ صحابہ سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھا جانا منقول نہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ کسی بھی صحابی نے غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے اس طرح کی کوئی بات کسی بھی صحابی سے منقول نہیں ہے کہ نماز جنازۂ غائبانہ ناجائز

ہے بلکہ نماز جنازہ غائبانہ سے منع کرنے والے صحابہ کے بعد ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں لہذا مانعین کی یہ بات بھی ناقابل قبول اور غیر مسموع ہے۔

سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۴، ۴۵ میں ایک باب منعقد کیا گیا ہے کہ:

" باب الرجل تفوته الصلوة مع الامام فيصليها بعده " یعنی امام کے ساتھ جس کی نماز جنازہ فوت ہو گئی وہ بعد میں بھی پڑھ لیوے اس باب کے تحت بعض صحابہ کرام حتی کہ خلیفۂ راشد حضرت علی مرتضیٰ سے بھی منقول ہے کہ جو لوگ پہلی بار کسی میت کی نماز جنازہ میں نہیں شریک ہو سکے وہ دوسری بار دوسری جماعت سے پڑھ سکتے ہیں سنن بیہقی کے علاوہ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں بھی اس طرح کی روایات موجود ہیں ان احادیث اور آثار صحابہ کے خلاف کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔ آخر ان احادیث و آثار اور عمل صحابہ پر کار بند ہونے سے احناف اور ان کے ہم خیال لوگوں کو کون سی چیز روکے ہوئے ہے؟ غائبانہ نماز جنازہ کے عدم جواز پر مذکورہ بالا قسم کا حیلہ کر دیا گیا مگر اس قسم کے امور میں انہیں کون سی چیز اتباع سنت و اتباع سلف سے روکے ہوئے ہے؟

ضمیمہ

ہم جنازہ سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر اللہ جانے کہ یہ ارادہ کب پورا ہو اس کتابچہ میں بعض حضرات کی خواہش و طلب کے مطابق نماز جنازہ سے متعلق بعض خاص باتوں کی طرف اشارہ کر دینا فی الوقت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

تکبیرات نماز جنازہ میں رفع الیدین

اس پر تقریباً تمام اہل علم کا اجماع و اتفاق ہے کہ نماز جنازہ میں کل چار تکبیریں ہیں اس سے کم یا زیادہ میں کسی قدر بعض کا اختلاف ہے مگر چار تکبیروں سے

پڑھی ہوئی نماز جنازہ کے صحیح ہونے پر سبھی متفق ہیں اور اس پر بھی سبھی متفق ہیں کہ پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ رفع الیدین کے ساتھ ہوگی جس طرح کہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے لیکن تکبیر تحریمہ کے معاملہ میں اس اتفاق کے بعد بقیہ تکبیرات نماز جنازہ میں رفع الیدین کی مشروعیت میں اختلاف ہے امام شافعی اور بہت سارے اہل علم باقی تکبیروں میں بھی رفع الیدین کو مشروع و مسنون مانتے ہیں حالانکہ شرعی دلیل نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے مسنون ہونے کے سلسلے میں وارد ہے اور اس سے اختلاف رکھنے والوں کے پاس کوئی بھی قابل اعتبار اور لائق قبول دلیل نہیں ہے۔

امام بیہقی بحوالہ علل دار قطنی ناقل ہیں کہ :

" قال عمر بن شبة حدثنا يزيد بن هارون انبانا يحى بن سعيد عن نافع عن ابن عمر ان النبى صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه فى كل تكبيرة على الجنازة " یعنی نبی ﷺ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کرتے تھے "(سنن بیہقی ابواب الجنائز و کتاب العلل للدار قطنی)

شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز حفظہ اللہ کی تصحیح و تحقیق سے شائع ہونے والی فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الجنائز باب سنۃ الصلوۃ علی الجنائز کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ:

نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین والی حدیث کی تصحیح

" اخرج الدار قطنى فى العلل باسناد جيد عن ابن عمر مرفوعا وصوب وقفه لانه لم يرفعه سوى عمر بن شبة والا ظهر عدم الالتفات الى هذه العلة لان عمر المذكور ثقة فيقبل رفعه لان ذلك زيادة ثقة وهى مقبولة على الراجح عند ائمة الحديث ويكون ذلك دليلا على شرعية رفع اليدين فى تكبيرات الجنازة والله اعلم یعنی دار قطنی کتاب العلل میں جید سند سے حضرت

عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔ امام دار قطنی نے اس مرفوع حدیث کا موقوف ہونا صواب قرار دیا ہے کیونکہ اسے عمر بن شبہ کے علاوہ کسی اور نے مرفوعا نہیں نقل کیا ہے لیکن زیادہ واضح و ظاہر بات یہ ہے کہ علت مذکور نا قابل اعتناء ہے کیونکہ جس عمر بن شبہ کو اسے مرفوعا نقل کرنے میں منفرد بتلایا جارہا ہے وہ ثقہ ہیں لہذا ان کی نقل کردہ یہ مرفوع حدیث قابل قبول ہے اس لئے کہ ائمہ حدیث کے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے بنابریں حدیث مذکور نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ (فتح الباری نسخہ مذکورہ کا حاشیہ ص ۱۹۰ ج ۳)

ہم کہتے ہیں کہ امام عمر بن شبہ مولود ۱۷۳ھ و متوفی ۲۶۲ھ کو حافظ ذھبی نے "العلامہ الاخباری الحافظ الحجہ صاحب التصانیف" قرار دیتے ہوئے عام علمائے رجال اور ائمہ حدیث سے موصوف کا ثقہ و مستقیم الحدیث ہونا نقل کیا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۹ تا ۳۷۲ ج ۱۲، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، معجم المولفین ج ۸ ص ۲۸۶ والاعلام للزرکلی وغیرہ)

موصوف امام عمر بن شبہ کثیر التصانیف تھے اور مختلف موضوع پر انکی بہت ساری کتابیں موجود ہیں اس لئے زیر بحث حدیث ان کی کسی نہ کسی کتاب میں بھی ضرور مذکور ہوگی اور ایسا نہ بھی ہو تو بہرحال یہ حدیث عمر بن شبہ تک صحیح الاسناد ہے اور عمر بن شبہ ایسے پختہ کار ثقہ محدث ہیں جن پر کسی قسم کا کوئی کلام جرح کسی بھی امام فن سے منقول نہیں امام دار قطنی کا یا کسی بھی شخص کا یہ کہنا کہ عمر بن شبہ یزید بن ہارون انبانا یحی بن سعید عن نافع عن ابن عمر کی سند سے اسے مرفوعا نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ ان کے علاوہ عام رواۃ نے اسے اسی سند سے موقوفا روایت کیا ہے لہذا یہ کہنا کہ عمر مذکور کا یہ تفرد اس کے مرفوع ہونے میں علت قادحہ ہے قطعا غیر صحیح بات ہے کیونکہ عام رواۃ نے اگر اسے موقوفا نقل کیا ہے تو اسے عمر بن شبہ کا مرفوعا نقل

کرنا ثقہ رواۃ کی مخالفت نہیں ہے بلکہ یہ ثقہ کا ایک اضافہ ہے جو بہر حال مقبول ہے عمر بن شبہ کے علاوہ ایک دوسری ضعیف سند سے امام طبرانی نے معجم اوسط میں یہ حدیث معنوی طور پر نقل کی ہے۔ (فتح الباری ج ۳ ص ۹۰ او مجمع الزوائد ج ۳) ظاہر ہے کہ اس ضعیف سند والی حدیث سے بھی عمر بن شبہ والی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲ میں مرقوم ہے کہ اس کی سند کا ایک راوی عبداللہ بن محرز مجہول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ایک عبداللہ بن ابن محرز کو میزان الاعتدال اور لسان المیزان میں مجہول کہا ہے مگر حافظ ابن حجر نے مزید کہا کہ ان کا ذکر حافظ ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے (لسان المیزان ج ۳ ص ۳۵۶) مگر اس سند میں واقع عبداللہ بن محرز ابن حبان کے ثقہ قرار دیئے ہوئے راوی نہیں ہیں۔ ایک عبداللہ بن محیریز نامی راوی ثقہ اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں یہ بھی اس سند والے راوی نہیں ہیں بلکہ ہمارے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن محرر (بالراء المہملہ) بن مکررہ عامری جرزی حرانی ہیں جنہیں غیر ثقہ و غیر معتبر قرار دینے پر تمام علمائے جرح و تعدیل متفق نظر آتے ہیں اگر چہ موصوف کو بعض لوگوں نے "من خیار العباد" بہت اچھے لوگوں میں سے قرار دیا ہے پھر بھی ان کے حق میں یہ بات کہنے والے امام ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ غیر شعوری طور پر کذب بیانی اور انجان پن میں سندوں کو الٹ پلٹ دیتے تھے امام عمرو بن علی وابو حاتم رازی و علی بن جنید نے متفقہ طور پر موصوف کو متروک قرار دیا ہے۔ امام بخاری وابو حاتم رازی و ہلال بن العلاء الرقی نے موصوف کو متفق اللسان ہو کر "منکر الحدیث" کہا ہے۔ امام ابن معین و نسائی نے "لیس بثقۃ" کہا۔ الغرض اہل علم موصوف کے غیر ثقہ ہونے پر متفق ہیں مگر ان کے غیر ثقہ ہونے پر اس اتفاق کے باوجود چونکہ ان کے علاوہ دوسری معتبر سند سے بھی یہ حدیث منقول و مروی ہے اور اس کے مطابق صحابہ کا عمل بھی ہے اور اصول حدیث کے مطابق معتبر سند سے مروی حدیث پر صحابہ کا عمل

اس کے ثابت شدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبداللہ بن محرر نامی اس ساقط الاعتبار راوی نے بھی جب یہ روایت نقل کی ہے تو "" قد یصدق الکذوب "" (یعنی کبھی کبھار جھوٹا آدمی بھی سچ بول دیا کرتا ہے) کی مثل کے مطابق یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس روایت کو ابن عمر سے مرفوعا نقل کرنے میں عبداللہ بن محرر نے صحیح بات بیان کی ہے جس کا دوسرا مطلب یہ نکلا کہ اس کی روایت مذکورہ سے ابن عمر والی روایت معتبرہ کی مزید تائید و تقویت ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خلیفہ راشد عمر فاروق نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے

علاوہ ازیں امام بیہقی نے کہا کہ:

" اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ ابو بکر بن اسحاق حدثنا بشر بن موسی ثنا ابو زکریا انا ابن لھیعة عن بکر بن سوادہ أن عمر بن الخطاب کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة الجنازة والعیدین" یعنی بکر بن سوادہ نے کہا کہ حضرت عمر بن خطاب جنازہ اور عیدین کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے "(سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۹۲)

امام بیہقی نے اس روایت کی صرف یہ ایک علت بیان کی ہے کہ اس کی سند منقطع ہے یعنی کہ بکر بن سوادہ کا سماع ولقاء حضرت عمر بن خطاب سے نہیں ہے لیکن بکر بن سوادہ حافظ ابن حجر کی اصطلاح کے مطابق تیسرے طبقہ کے تابعی ہیں اور پختہ کار ثقہ بھی۔ (تقریب التھذیب ترجمہ بکر بن سوادہ) اور اس طرح کی روایت احناف اور بہت سے لوگوں کی اصطلاح میں مرسل ہے اور مرسل احناف کے یہاں حجت ہوتی ہے لیکن از روئے تحقیق اس سند کی علت قادحہ یہ ہے کہ بکر بن سوادہ سے اس کی روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن لھیعہ مدلس ہیں اور مدلس کی تصریح تحدیث

کے بغیر معنعن روایت معتبر نہیں ہوتی اس لئے روایت مذکورہ کی یہ علت بھی قادح ہے۔ مگر اس کے باوصف حضرت عمر بن خطاب اور ان کے صاحب زادے سے اس کے خلاف دوسری بات مروی نہیں ہے اور مدونہ مالک میں بھی حضرت عمر بن خطاب سے اس معنی و مفہوم کی روایت بلا ذکر سند منقول ہے کہ عمر بن خطاب نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے۔ امام مالک ابن لہیعہ کے معاصر تھے اگر انہوں نے ابن لہیعہ والی اس روایت پر اعتماد کیا ہے تو اس امر کی دلیل ہے کہ موصوف سے یہ روایت تصریح تحدیث کے ساتھ منقول ہے کیونکہ امام مالک کا رواۃ اور روایات کے معاملہ میں بہت زیادہ تحقیق پسند اور محتاط ہونا معروف بات ہے۔ بہر حال ہم سند مذکور سے مروی عمر بن خطاب والی روایت کو منفرد اً حجت نہیں مانتے مگر اسے تائید و استشہاد میں پیش کئے جانے کے لائق تو مانتے ہی ہیں۔

یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے مرفوعاً بسند معتبر منقول و مروی ہے علاوہ ازیں اس مرفوع حدیث کے مرفوعاً صحیح ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اسے مرفوعاً نقل کرنے والے صحابی عبداللہ بن عمر بن خطاب بذات خود اس کے مقتضی پر عمل کرتے ہوئے نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے اور ابن عمر کا متبع سنت ہونا مشہور و معروف بات ہے یہ محتاج وضاحت مسئلہ نہیں ہے پھر ابن عمر کی اس مرفوع حدیث اور اس کے مطابق ان کے عمل کے خلاف کوئی بھی دلیل شرعی موجود نہیں ہے اگر یہ حدیث مرفوع نہ بھی ہوتی تو اسے مرفوع کے حکم میں ماننا اصول حدیث کے مطابق لازم ہے۔

نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین سے متعلق کلام زیلعی کا تحقیقی جائزہ

ایک عجیب بات زیلعی حنفی نے یہ لکھی کہ:

" ولم یرو البخاری فی کتابه المفرد رفع الیدین شیئا فی هذا الباب

الا حديثا موقوفا على ابن عمر و حديثا موقوفا على عمر بن عبد العزيز ۔
یعنی امام بخاری نے رفع الیدین پر اپنی لکھی ہوئی مستقل کتاب (جزو رفع الیدین) میں نماز جنازہ کی تکبیرات کے وقت رفع الیدین کے ثبوت میں ابن عمر کی موقوف حدیث نیز عمر بن عبد العزیز کی موقوف حدیث کے علاوہ کسی اور روایت کو نقل نہیں کیا" (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۵)

حالانکہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب میں ابن عمر سے کئی اسانید کے ساتھ نیز خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز سے جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کا تعامل نقل کرنے کے علاوہ قیس بن ابی حازم سے بھی بسند صحیح ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کا عمل نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو جزو رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین للشیخ السید ابی محمد بدیع الدین الراشدی مطبوعہ ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد پاکستان ۱۹۸۳ء ص ۱۸۵) نیز ملاحظہ ہو مصنف ابن شیبہ ج ۲ ص ۲۹۶ و مصنف عبد الرازق ج ۳ ص ۴۶۹)

قیس بن ابی حازم کو بعض اہل علم نے صحابہ میں شمار کیا ہے (اصابہ ترجمہ قیس بن ابی حازم) اس اعتبار سے موصوف کی روایت بھی صحابی کی موقوف حدیث مرفوع کے مطابق ہے اور معنوی طور پر خود بھی مرفوع حکمی ہے۔

اسی طرح چوتھی حدیث امام بخاری نے نافع بن جبیر اور پانچویں روایت مکحول شامی چھٹی روایت وھب بن منبہ، ساتویں روایت زہری سے نقل کی ہے ان روایات کے علاوہ عمر بن عبد العزیز والی آٹھویں روایت کا اعتراف خود مصنف نصب الرایہ کو ہی ہے۔ ان آٹھ روایات کو صرف دو روایات کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟ ان آٹھوں حضرات میں سے ایک خلیفہ راشد بھی ہیں اور خلیفہ راشد کی اہمیت سے کوئی بھی صاحب علم نا واقف نہیں مشہور حدیث نبوی ہے کہ " عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين " (مشکوۃ مع مرعاۃ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ) ان حضرات کا تعامل حدیث نبوی کے بالکل موافق ہے۔ ان آٹھوں حضرات کے علاوہ امام حسن بصری سے

بھی امام بخاری نے اپنی کتاب مذکور میں یہی عمل نقل کیا ہے (جزو رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین ص ۱۹۲) کیا نو روایات کو صرف دو روایات کہنا کسی صاحب علم کے شایان شان ہے؟ امام اوزاعی سے بھی نماز جنازہ کی تمام تکبیرات میں رفع الیدین کی روایت بسند صحیح منقول ہے (جزء رفع الیدین للبخاری مع جلاء العینین ص ۱۸۳)

جلاء العینین کے حاشیہ پر مالکی مذہب کی مشہور کتاب مدونہ ج ۱ ص ۱۷۶ سے منقول ہے کہ:

" قال ابن وهب وان عمر بن الخطاب والقاسم وعمر بن عبد العزيز وعروة بن الزبير وموسى بن نعيم وابن شهاب. وربيعة ويحى بن سعيد القطان كانوا اذا كبروا على الجنازة رفعوا ايديهم فى كل تكبيره وقال مالك لى انه ليعجبنى أن يرفع يديه فى التكبيرات الاربع " یعنی ابن وہب نے کہا کہ خلیفہ راشد عمر بن خطاب فاروق اعظم، قاسم بن محمد، عمر بن عبد العزیز (خلیفہ راشد)، عروہ بن زبیر، موسیٰ بن نعیم، ابن شہاب زہری، ربیعہ ویحیٰ بن سعید جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے اور امام مالک نے کہا کہ مجھے بھی یہی بات پسند ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کے علاوہ دوسرے خلیفہ راشد عمر بن خطاب بھی اسی موقف پر کار بند تھے اور ان کے علاوہ بہت سارے حضرات بھی اسی موقف کے قائل تھے۔ ان اساطین امت کا جو عمل حدیث نبوی کے مطابق ہے اس سے انحراف واعراض کرنا اور دعویٰ حق پرستی بھی کرنا عجب ہے۔

روایت ابی ہریرہ پر بحث

مذکورہ بالا گل افشانی کرنے والے علامہ زیلعی حنفی موصوف اپنی تائید میں کوئی بھی روایت قابل التفات ولائق اعتناء نہیں نقل کر سکے موصوف نے دو روایات نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:

" عن ابى هريرة قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى

علی الجنازۃ رفع یدیه فی اول تکبیرہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری "
یعنی حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے الخ" (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۵ بحوالہ جامع ترمذی باب ماجاء فی رفع الیدین علی الجنازۃ) نیز ملاحظہ ہو سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۲، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۸۴، طبقات الاصبہانیین لابی الشیخ ص ۲۶۲)

یہ روایت قطعاً حنفی موقف پر دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں پہلی تکبیر کے بعد والی تینوں تکبیروں میں رفع الیدین کی نفی نہیں کی گئی ہے بایں ہمہ زیلعی بذات خود اس روایت کے سلسلے میں ناقل ہیں کہ:

" قال الترمذی حدیث غریب لا نعرفه الا من هذا الوجه انتهی واعله بن القطان بابی فروۃ نقل تضعیفه عن احمد والنسائی وابن معین والعقیلی قال ففیه علة اخری وهو یحی بن یعلی الراوی عن ابی فروۃ ضعیف قال ابن حبان فی ابی فروہ کثیر الخطاء لا یعجبنی الاحتجاج به اذا وافق الثقات فکیف اذا انفرد ثم نقل عن ابن معین انه قال لیس بشئ "
یعنی کہ امام ترمذی نے کہا اسے ہم محض اسی سند سے جانتے ہیں۔ اور امام ابن القطان نے کہا کہ صرف اسی سند سے مروی شدہ اس روایت کے مدار علیہ راوی ابو فروہ اور اس کے شاگرد یحی بن یعلی کو اہل علم نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے یعنی کہ روایت مذکورہ قطعی طور پر غیر معتبر ہے (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۵)

یہ ساقط الاعتبار روایت جب بلحاظ سند ناکارہ اور غیر کار آمد ہے اور حنفی موقف پر دلیل صریح بھی نہیں تو اسے اپنی تائید میں احناف کا یا کسی کا پیش کرنا غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے۔ پھر اس روایت سے صرف اتنی بات مستفاد ہوتی ہے کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے وقت آپ ﷺ نے رفع الیدین کیا اس سے دوسری اور تیسری و چوتھی تکبیروں کے وقت رفع الیدین نہ کرنے کی بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی لہذا اسے

PDF Compressor Free Version

نماز جنازہ کی تمام تکبیروں باستثنا تکبیر تحریمہ میں رفع الیدین کے غیر شرعی ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ یزید بن سنان ابی فروہ

اس روایت کے مدار علیہ راوی ابو فروہ یزید بن سنان جزری رہاوی مولود ۹۶ھ ومتوفی ۱۵۵ھ کو امام نسائی نے " متروك الحديث ليس بثقة " کہا (تہذیب التہذیب ترجمہ یزید بن سنان) اور یہ سخت ترین تجریح میں سے ہے۔ امام ابن معین نے موصوف کو " ليس بثقة " اور " ليس بشئ " کہا (عام کتب رجال الضعفاء للعقیلی ج ٤ ص ٣٨٢) یہ بھی سخت ترین تجریح میں سے ہے اور یہی بات موصوف کی بابت امام ابو داؤد نے بھی کہی ہے۔ امام ابو حاتم رازی نے موصوف کو "محله الصدق " کہنے کے باوجود " كان الغالب عليه الغفلة يكتب حديثه ولا يحتج به " کہا (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کتب رجال ترجمہ ابو فروہ) جس "محله الصدق يكتب حديثه ولا يحتج به " کے وصف سے متصف راوی کو کچھ ائمہ جرح وتعدیل نے متروک الحدیث اور لیس بشئی ومنکر الحدیث کہا ہو وہ جس حدیث کی روایت میں منفرد ہو وہ قطعا ساقط الاعتبار ہے۔ موصوف ابو فروہ نے یہ حدیث زید بن ابن انیسہ سے نقل کی ہے اور امام ابن عدی نے کہا کہ " روى عن زيد بن ابى انيسة نسخة تفرد بها عنه باحاديث وله عن غير زيد احاديث مسروقة عن الشيوخ وعامة حديثه غير محفوظ " یعنی موصوف ابو فروہ نے زید بن ابی انیسہ سے ایک نسخہ احادیث کی روایت کر رکھی ہے جس کی نقل میں موصوف منفرد ہیں اور زید کے علاوہ دوسرے شیوخ واساتذہ سے موصوف کی نقل کردہ روایات سرقہ کردہ ہیں اور موصوف کی عام روایات غیر محفوظ ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر ہے کہ متروک الحدیث ولیس بشئی ومنکر الحدیث کے وصف سے متصف جو راوی زید بن انیسہ سے روایت مذکورہ کی نقل میں منفرد ہے اس کی روایت مذکورہ قطعا ساقط

الاعتبار ہے۔ امام ابن حبان نے موصوف کو کثیر الخطا اور ساقط الاعتبار کہا ہے
(المجروحین لابن حبان ج ۳ ص ۱۰۶)
اس کثیر الخطاء، متروک الحدیث، منکر الحدیث، لیس بثقۃ راوی سے اس
حدیث کے راوی یحیی بن یعلی ابوزکریا اسلمی قطوانی بھی سخت ضعیف و ساقط الاعتبار
ہیں۔

ترجمہ یحیی بن یعلی اسلمی قطوان

یحیی بن یعلی کو امام بخاری نے "مضطرب الحدیث" کہا۔ حافظ ابن حبان نے کہا
کہ "یروی عن الثقات المقلوبات" یعنی موصوف۔ یحیی بن یعلی ثقہ رواۃ کے حوالہ سے
الٹی پلٹی احادیث روایت کرتے ہیں (تہذیب التہذیب والمجروحین لابن حبان ترجمہ یحیی
بن یعلی) امام ابن معین نے موصوف کو "لیس بشیئ" کہا (عام کتب رجال)
امام ذہبی نے موصوف کی روایت کردہ زیر نظر حدیث کو یحیی بن یعلی کے
مناکیر میں شمار کیا ہے نیز اس کی صراحت کی ہے کہ اپنے جس استاذ ابو فروہ سے روایت
مذکور نقل کی ہے وہ "تالف" یعنی سخت ضعیف ہے (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۱۵)
نیز امام ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے تو امام ذہبی نے بھی اسے "صدق" کہا
اور امام ترمذی کے موقف سے اپنی موافقت ظاہر کی۔
اس قدر سخت ضعیف و منکر ہونے کے باوصف روایت مذکورہ موقف
مذکور پر دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ اس میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی
دوسری تکبیروں میں رفع الیدین کی نفی نہیں کی گئی ہے اس لئے جب دوسری
مرفوع و موقوف روایات میں نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے اثبات
کی صراحت ہے تو اس حدیث کو اثبات والی احادیث پر محمول کرنا لازم ہے تاکہ
احادیث صحیحہ سے اس کا معارض ہونا لازم نہ آنے والی احادیث معتبرہ و صحیحہ کے
ساتھ اس قسم کی روایات کی تطبیق و توفیق کا یہی طریقہ پسندیدہ اور بہتر ہے تاکہ

احادیث معتبرہ کے معارض ہونے کے باعث اسے ردوساقط نہ قرار دینا پڑے کیونکہ احادیث معتبرہ کے معارض وخلاف روایت کو ردوساقط قرار دینے پر تمام اہل علم متفق ہیں۔

حدیث مذکور میں منقول شدہ یہ بات کہ آپ ﷺ نے تکبیر تحریمہ کے بعد اس نماز جنازہ میں بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ باندھ لیا دوسری احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ تکبیر تحریمہ کے بعد عام نمازوں میں سینے پر ہاتھ باندھا کرتے تھے لہذا اس حدیث کو انہیں احادیث صحیحہ پر محمول کیا جائے گا کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح سینے پر دونوں ہاتھ باندھا کرتے تھے عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے سے متعلق احادیث صحیحہ و معتبرہ کی تفصیل جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی وعون المعبود (شرح سنن ابی داؤد اور کتاب الصلوۃ للعلامہ الالبانی وکتاب احکام الجنائز للعلامہ الالبانی میں تحقیق کے ساتھ موجود ہے۔ تحقیق پسند حضرات ان مراجع کی طرف رجوع کریں۔

الحاصل حضرت ابوہریرہ کی طرف غلط طور پر منسوب ہو جانے والی زیر نظر روایت مذکورہ سند اور متن دونوں اعتبار سے موقف مذکور پر دلیل قرار دئے جانے کے لائق نہیں ہے۔ البتہ ہماری پیش کردہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق روایت مذکورہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کے خلاف نہیں بلکہ اسے اس صورت میں تمام تکبیرات جنازہ میں اثبات رفع الیدین کے سلسلے میں وارد شدہ روایات کے موافق مانا جاسکتا ہے کہ اسے اثبات والی احادیث پر محمول کیا جائے۔

اس تفصیل کا ماحصل یہ ہوا کہ زیر نظر حدیث اس موقف کی دلیل نہ باعتبار سند ہے نہ باعتبار متن ہے کہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد والی تکبیروں میں رفع الیدین مشروع نہیں لہذا اگر کوئی روایت موقف مذکور پر بالصراحت دلالت کرنے والی ہو بھی تو اس زیر نظر روایت کی اسے متابع وشاہد نہیں قرار دیا جاسکتا خواہ وہ روایت

باعتبار سند قوی و معتبر ہو خواہ ضعیف و غیر معتبر ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی معتبر روایت موقف مذکور پر دلالت کرنے والی موجود نہیں ہے اور اگر کوئی غیر معتبر روایت موجود بھی ہے تو زیر نظر حدیث ابی ہریرہ کو اس غیر معتبر روایت کی متابع نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوصف ہم دیکھتے ہیں کہ عام احناف کی طرح مشہور حنفی عالم علامہ زیلعی نے ابو ہریرہ کی طرف منسوب اس روایت کو موقف مذکور پر دلیل سمجھ کر ایک دوسری ساقط الاعتبار روایت کو اس کا متابع قرار دے لیا۔ یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عباس کی طرف منسوب ہے اور علامہ زیلعی حنفی نے احادیث ہدایہ کی تخریج نصب الرایہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ والی تکبیروں میں نفی رفع الیدین پر دلالت کرنے والی حدیث ابن عباس

" اخرج الدار قطني في سننه عن الفضل بن السكن ثنا هسام بن يوسف ثنا معمر عن ابن طاؤس عن ابيه عن ابن عباس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه على الجنازة في اول تكبيرة ثم لا يعود انتهى سكت عنه ولكن اعلّه العقيلي بالفضل بن السكن وقال انه مجهول انتهى ولم اجده في ضعفاء بن حبان" یعنی دار قطنی نے اپنے سنن میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جنازہ کی پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔ اسے نقل کر کے دار قطنی نے سکوت اختیار کیا لیکن عقیلی نے اسے فضل بن السکن کے سبب معلول قرار دے کر کہا کہ یہ مجہول راوی ہے مگر میں نے فضل بن السکن کا ترجمہ ابن حبان کی کتاب الضعفاء میں نہیں پایا (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۸۵)

ہم کہتے ہیں کہ فضل بن السکن کو امام عقیلی نے صرف مجہول کہنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اسے غیر ضابطہ بھی کہا ہے نیز میزان الاعتدال ولسان المیزان میں اس کو اور فضل بن السکن القطیعی الاسود اور فضل بن سخیت کو ایک ہی راوی قرار دیا ہے اور کہا کہ اسے امام ابن معین نے کذاب وملعون کہا ہے اس کی کنیت ابوالعباس سندھی ہے (لسان المیزان ج ۴ ص ۴۴۱) ضعفاء ابن حبان میں اس کذاب راوی کا ذکر نہ ہونے سے کیسے لازم آیا کہ وہ غیر مجروح ہے جب کہ اسے ابن معین، عقیلی، ذہبی وابن حجر عسقلانی نے کذاب قرار دیا ہے اور خاص طور سے زیلعی اور احناف کی زیر بحث مستدل روایت کو اس کے مناکیر واکاذیب کی مثال میں پیش کیا ہے۔ اسے امام عبدالرزاق سے دعوی سماع تھا جبکہ ان سے اس کا سماع نہیں ہو سکا (لسان المیزان)

نماز جنازہ میں صرف بوقت تکبیر تحریمہ ہی رفع الیدین کے مشروع ہونے پر مذکورہ بالا دونوں ساقط الاعتبار روایات کے علاوہ کوئی بھی قابل ذکر اور لائق اعتبار دلیل نہیں ہے اس کے باوجود تحریمہ نماز جنازہ کے علاوہ باقی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کو غیر مشروع کہنے والوں کا تحریمۂ نماز جنازہ کے وقت رفع الیدین کو مشروع ماننا بھی ایک عجوبہ ہے۔ آخر کس دلیل شرعی کی بنا پر یہ لوگ تحریمۂ نماز جنازہ کے وقت تو رفع الیدین کی مشروعیت کے قائل ہو گئے مگر بقیہ تکبیروں میں قائل نہیں؟

علامہ ناصر الدین البانی کی بات پر بحث و نظر

علامہ ناصر الدین البانی نے لکھا ہے کہ:

” قلت لم نجد فی السنة ما يدل على مشروعية الرفع فی غير التكبيره الاولى فلا نرى مشروعية ذلك وهو مذهب الحنفية وغيرهم واختاره الشوكانی وغيره من المحققين واليه ذهب ابن حزم فقال (۵/۱۲۸) واما رفع الايدى فانه لم يات عن النبی صلى الله عليه وسلم انه رفع فی شی من تكبيرة الجنازة الا فی اول تكبيرة فقط فلا يجوز فعل ذلك لانه عمل فی

الصلوۃ لم یات بہ نص وانما جاء عنہ علیہ السلام انہ کبر ورفع یدیہ فی کل خفض ورفع ولیس فیہا رفع وخفض " یعنی ہم کو سنت میں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے علاوہ دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو لہذا ہم تحریمۂ جنازہ کے علاوہ دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت کے قائل نہیں اور احناف وغیرہم کا یہی مسلک ومذہب ہے اور محققین میں سے امام شوکانی وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور حافظ ابن حزم کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ انہوں نے محلی ج ۵ ص ۱۲۸ میں کہا کہ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی دوسری تکبیروں کے وقت رفع الیدین کے ثبوت میں کوئی حدیث وارد نہیں صرف تحریمہ کے وقت ہی نماز جنازہ میں رفع الیدین کا ثبوت ہے لہذا تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع الیدین کرنا جائز نہیں کیونکہ نماز کے اندر یہ رفع الیدین ایک ایسا عمل ہے جس کے مشروع ہونے پر کوئی نص نہیں وارد ہے آپ ﷺ سے صرف یہ مروی ہے کہ نماز میں جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہہ کر رفع الیدین کرتے تھے اور نماز جنازہ میں جھکنے اور اٹھنے کی بات ہے نہیں ایک ایسا عمل ہے جس کے مشروع ہونے پر کوئی نص نہیں یعنی کہ صرف قیام اس نماز میں رہتا ہے رکوع سجدہ کے لئے جھکنا اور اٹھنا نہیں رہتا الخ" (حاشیہ احکام الجنائز للعلامہ الالبانی ص ۱۱۶)

ہم کہتے ہیں کہ سنت سے نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کا ثبوت اور اس پر متعدد صحابہ وتابعین کا تعامل ہم نقل کر چکے ہیں۔ اتنی بات علامہ البانی نے تسلیم کی ہے کہ حضرت ابن عمر سے بسند صحیح مروی ہے کہ ان کا اپنا ذاتی عمل یہ تھا کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کرتے تھے لہذا جو لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ ابن عمر حکم نبوی کے بغیر ایسا نہیں کرتے تھے انہیں اختیار ہے کہ وہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کریں (حاشیہ احکام الجنائز ص ۱۱۷) ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عمر کا فعل مذکور عین فعل نبوی وسنت نبوی کے مطابق ہے اس لئے ابن عمر کا فعل

مذکور عین فعل نبوی وسنت نبوی کے مطابق ہے اس لئے ابن عمر کے فعل مذکور کو تو یقینی ماننا اور حکماً مرفوع ماننا لازم ہے۔ اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس فعل ابن عمر کو علامہ البانی موصوف بذات خود بھی مرفوع حدیث کے حکم میں ہونے کو خارج از امکان نہیں سمجھتے بلکہ ایسا سمجھنے والوں پر انہیں کوئی اعتراض نہیں پھر بھی تعجب ہے کہ موصوف اس فعل کی مشروعیت کے قائل نہیں اور یہ بھی نہیں مانتے کہ اس کی مشروعیت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے حالانکہ ہماری پیش کردہ تفصیل میں اس کی مشروعیت پر دلیل شرعی بیان کر دی گئی ہے۔

نماز جنازہ کی ہر تکبیر پر رفع الیدین کے مسنون ہونے کے قائل امام ابو حنیفہ بھی تھے

تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کے غیر مشروع ہونے کی بات کو علامہ موصوف نے اپنی اس عبارت میں مطلقاً احناف وغیرہم کا مذہب بتلایا ہے حالانکہ اپنی اسی عبارت میں ذرا سا آگے چل کر موصوف نے کہا ہے کہ کتب شارحین مذہب حنفیہ اور بلخ کے حنفی اماموں کا مذہب یہ بیان کیا گیا ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین مشروع ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے کہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کیا جائے اس کے خلاف امام مالک سے مروی شدہ قول اس لئے غیر مقبول ہے کہ قول حدیث نبوی سے مختلف ہے۔ امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابن المبارک اور اکثر صحابہ وتابعین کا بھی یہی مسلک ہے اسے خود علامہ موصوف نے امام ترمذی کے حوالہ سے نقل کر رکھا ہے نیز امام ترمذی نے کہا ہے کہ صرف بعض ہی لوگ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں عدم رفع الیدین کے قائل ہیں (احکام الجنائز للعلامہ الالبانی) حافظ

ابن حزم کے حوالہ سے علامہ البانی نے جو یہ نقل کیا کہ تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی باقی تکبیروں کے وقت رفع الیدین کی بات حدیث نبوی میں منقول نہیں تو اس کا رد گذشتہ تفصیل میں آچکا ہے۔

حافظ ابن حزم کا یہ کہنا کہ "سنت میں صرف خفض و رفع (جھکنے اور اٹھنے) کے وقت رفع الیدین کا ذکر ہے اور نماز جنازہ میں خفض و رفع نہیں صرف قیام ہی قیام ہوتا ہے اس لئے تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیروں میں رفع الیدین غیر مشروع ہے" کسی طرح بھی درست نہیں کیونکہ موصوف ابن حزم اور اس معاملہ میں ان کی موافقت کرنے والے تحریمہ کے وقت بہر حال رفع الیدین کے قائل ہیں اور تحریمہ کے وقت نہ خفض ہوتا ہے نہ رفع بلکہ قیام ہی قیام ہوتا ہے جب قیام کی حالت میں یہ حضرات بوقت تحریمہ رفع الیدین کے قائل ہیں تو قیام کی حالت میں نماز جنازہ کی باقی تکبیروں میں رفع الیدین کے قائل ہونے سے ان کے لئے کون سی چیز مانع ہے جب کہ حدیث نبوی سے باقی تکبیرون میں بھی رفع الیدین کا ثبوت ہے؟ بہت تعجب زمانۂ حال کے احناف پر ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب اس قول و فتوی کو اس معاملہ میں ترک کئے ہوئے ہیں جو موافق سنت نبوی و مطابق سنت صحابہ و تابعین ہے مگر امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب شدہ جو قول خلاف حدیث نبوی ہے اسے یہ لوگ معمول بہ بنائے ہوئے ہیں ـــــ اور صرف یہی نہیں بلکہ خلاف حدیث نبوی والے قول کی حمایت اور موافق حدیث بنوی والے قول کی تردید میں یہ لوگ بڑے سر گرم عمل ہیں۔ فیا للعجب.

اپنے مذہب و موقف کے موافق پائی جانے والی مکذوبہ روایات مقبول و معمول بہ قرار دے لینا اور ان کے بالمقابل احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر دینا کوئی اچھا طور طریق نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام ابن حزم کیا فرماتے ہیں؟

امام شافعی نے کتاب الام میں نماز جنازہ میں بوقت تکبیر رفع الیدین والی

PDF Compressor Free Version

مرفوع حدیث نبوی کہہ کر معرض استدلال میں پیش کیا ہے اور عام اہل علم کا یہی مسلک بھی ہے اس کے بالمقابل نصب الرایہ کے غالی حنفی حاشیہ نگار نے حقائق سے آنکھ بند کر کے حافظ ابن حزم سے نقل کیا کہ :

" والعجب من قول ابی حنیفة یرفع الا یدی فی کل تکبیرة فی صلوة الجنازة ولم یات قط عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومنعه فی سائر الصلوات وقد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم " یعنی ابو حنیفہ کی اس بات پر تعجب ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کیا جائے حالانکہ نبی ﷺ سے قطعا اس کے ثبوت میں کوئی حدیث نہیں وارد ہوئی ہے بایں ہمہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں امام ابو حنیفہ نے تو رفع الیدین کو مشروع کیا مگر تمام دوسری نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ رفع الیدین کو موصوف نے ممنوع قرار دیا ہے حالانکہ عام نمازوں میں رفع الیدن نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے دریں صورت موقف ابی حنیفہ ایک عجوبہ ہے"

حافظ ابن حزم کی یہ بات غالی مقلدین نے یہ ثابت کرنے کے لئے نقل کی ہے بتصریح ابن حزم نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کا ثبوت حدیث نبوی میں نہیں ہے مگر اسی سانس میں حافظ ابن حزم کی تردید میں ان مقلدین نے مزید یہ بات کہی کہ :

" هذه النسبة منه اعجب " یعنی نماز جنازہ کی تمام تکبیروں میں رفع الیدین کی مشروعیت کا امام ابو حنیفہ کی طرف امام ابن حزم کا منسوب کرنا اس سے بھی بڑا عجوبہ ہے "(نصب الرایہ کا حاشیہ ج ۲ ص ۲۸۵ نمبر ۳)

ہم کہتے ہیں کہ ایک ہی سانس میں حافظ ابن حزم کی ایک بات کو بطور دلیل پیش کرنے والے محشی کا ان کی دوسری بات کی تردید مقلدانہ ہتھکنڈوں میں سے ایک ہتھکنڈہ ہے جب بدعوئی محشی امام ابو حنیفہ کی طرف حافظ ابن حزم کا انتساب مذکور غلط

ہے تو تکبیرات جنازہ میں رسول اللہ ﷺ سے رفع الیدین کے عدم ثبوت کے دعوی
ابن حزم کو صحیح مانناکیوں کر صحیح ہے جب کہ مرفوع حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے
اور معنوی طور پر مرفوع کا حکم رکھنے والے آثار صحابہ و تابعین میں بھی اس کا ثبوت
ہے؟ جہاں تک امام ابو حنیفہ کی طرف قول مذکور کے انتساب ابن حزم کا معاملہ ہے تو یہ
معلوم ہے کہ عام امور میں امام ابو حنیفہ سے متضاد قسم کے اقوال منقول ہیں جن کی
تفصیل ہماری کتاب اللمحات الی مافی انوار الباری من الظلمات میں ہے اس لئے بعید نہیں
کہ امام ابو حنیفہ سے قول مذکور بسند معتبر حافظ ابن حزم کو ملا ہو۔ اور یہ بہت واضح
بات ہے کہ کسی بڑے سے بڑے محدث پر بعض احادیث بنویہ مخفی رہ جاتی ہیں۔ فقہ
حنفی کی شروح میں نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کی مشروعیت کو امام ابو
حنیفہ کا مذہب بتلایا گیا ہے اور بہت سارے ائمہ احناف کا بھی یہی مذہب و مسلک ہے
(شرح مبسوط للسرخی ج ۲ ص ۲۸۵، احکام الجنائز للالبانی ۱۱۶ کا حاشیہ)

اگر حافظ ابن حزم کی نظر میں تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین سے متعلق
حدیث صحیح نہیں ہے تو ان سے کہیں مقدم اہل علم اسے صحیح مان کر اس پر عمل پیرا
رہے ان میں سے متعدد صحابہ و تابعین بھی ہیں اور انہیں صحابہ و تابعین کے مطابق امام
ابو حنیفہ کے استاذ الاساتذہ امام مالک کا بھی فتوی تھا جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں۔ امام
مالک کا امام ابو حنیفہ کا استاذ الاساتذہ ہونا اللمحات میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔

نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سے لے کر اختتام نماز تک بوقت تکبیر رفع الیدین کے علاوہ سینے پر ہاتھوں کا باندھنا مسنون ہے

یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ بھی عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے اس لئے

نماز جنازہ کے مسائل واعمال عام نمازوں کے مسائل واعمال کی طرح ہوں گے اس کلیہ وعموم سے صرف وہی چیز مستثنیٰ و مختلف مانی جا سکتی ہے جس کے مستثنیٰ و مختلف ہونے پر شرعی دلیل ہو اس لئے چونکہ عام نمازون میں تکبیر تحریمہ کے بعد بحالت قیام سینے پر دونوں ہاتھوں کا باندھے رکھنا اس طرح مشروع قرار دیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ پر داہنے کو رکھا جائے لہذا نماز جنازہ میں بھی ایسا ہی کرنا ہوگا صرف تکبیروں کے موقع پر رفع الیدین کرنا مسنون ہے کیونکہ نماز جنازہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے غیر مشروع ہونے پر الگ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عام نمازوں کے لئے مذکورہ بالا کلیہ میں نماز جنازہ بھی شامل ہے مگر نماز جنازہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے سلسلے میں خصوصی طور پر کوئی معتبر حدیث نبوی نہیں ملتی عام طور سے نماز جنازہ میں بھی اس طرح ہاتھ باندھنے کی مشروعیت کے ثبوت میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی شدہ اس روایت کو پیش کیا جاتا ہے جس کا ذکر رفع الیدین کے سلسلے میں آچکا ہے مگر وہ روایت بہت زیادہ ضعیف اور ساقط الاعتبار و ناقابل عمل ہے۔ اس کے ضعیف ہونے کا اعتراف علامہ البانی کو بھی ہے (احکام الجنائز ص ۱۱۶، ۱۱۷) اس اعتراف کے ساتھ علامہ موصوف نے نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد سینے پر ہاتھ باندھنے والی بات کو مسنون قرار دینے کے لئے عام نمازوں میں وارد شدہ حکم عام کو دلیل قرار دیا ہے اور اس عموم کی بنیاد پر حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کو معنوی طور پر صحیح مانا ہے مگر عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثنا اور دعائے استفتاح کا ثبوت موجود ہے جس کی تفصیل خود علامہ موصوف نے اپنی مختلف کتابون میں پیش کی ہے لیکن عام نمازون کے اس حکم عام کو موصوف نماز جنازہ کے لئے عام نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ میں ثنا ودعائے استفتاح مشروع نہیں (احکام الجنائز حاشیہ ص ۱۱۹)

حالانکہ نماز جنازہ کا بھی ایک نماز ہونا مسلم ہے تو عام نمازوں کے بالمقابل اس کے کسی معاملہ میں ثبوت استثناء کے بغیر دعویٰ استثناء ساقط الاعتبار ہے البتہ ثنا

ودعائے استفتاح بذات خود فرض وواجب نہیں اس لئے اسے کبھی کبھار ترک کردینے میں کوئی مضائقہ نہیں خواہ نماز جنازہ ہو یا عام نمازوں میں سے فرض نمازیں ہوں یا مسنون ونوافل۔ اس بات کو ملحوظ رکھنا تمام اہل اسلام کو عموما اور اہل حدیث کو خصوصا بہت ضروری ہے اور اس سے بعض اشکالات بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فافہم وتدبر۔

نماز جنازہ میں دعائے ثناو استفتاح

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ نماز جنازہ بھی عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے۔ اس لئے عام نمازوں کے جو شرائط وارکان، واجبات ومسنونات ومستحبات اور مسائل ہیں وہ نماز جنازہ میں بھی ہیں اس عموم سے صرف وہی بات مستثنی وخارج ہے جس کے لئے شرعی دلیل موجو ہے جیسا کہ عام نمازوں میں رکوع وسجدہ اور قعود ہوا کرتا ہے مگر نماز جنازہ میں رکوع وسجود وقعود نہیں ہے کیونکہ اس پر دلیل شرعی موجود ہے اور اس بات پر پوری امت کا اجماع بھی ہے۔ یہ معلوم ہے کہ عام نمازوں میں تکبیر تحریمہ کے بعد دعائے ثناءودعائے استفتاح مسنون ومستحب ہے شریعت کے اس حکم عام سے نماز جنازہ کے لئے کوئی استثنائی حکم شرعی نہیں صادر ہوا ہے اس لئے نماز جنازہ میں بھی عام نمازوں کی طرح تکبیر تحریمہ کے بعد امام ومقتدی سبھی لوگوں کا سرا بلا جہر دعائے ثنا پڑھنا مسنون ومستحب ہے جیسا کہ ہم مذکورہ بالا تفصیل میں بتلا چکے ہیں۔

عام کتب احناف میں کہا گیا ہے نماز جنازہ دراصل میت کے لئے دعا ہے اسی بنا پر اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں مگر انہیں لوگوں نے نماز جنازہ میں تحریمہ کے بعد دعائے ثنا پھر درود شریف پڑھنے کی مشرعیت پر دلیل دیتے ہوئے کہا کہ:

"والبداءۃ بالثناء ثم بالصلوۃ لانھا سنۃ الدعاء" یعنی تحریمہ کے بعد نماجنازہ میں دعائے ثناء پڑھنی چاہئے دعاء میں ثنا اور درود پڑھنے کی مشروعیت کے ثبوت میں تخریج احادیث ہدایہ نصب الرایہ کے مصنف نے اس حدیث سے استدلال

کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی نماز پڑھ چکے تو دعا کرتے وقت پہلے اللہ کی حمد وثنا کرے پھر جو دعا چاہے سو کرے (نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۷۲ بحوالہ ابوداؤ ونسائی وترمذی ومستدرک حاکم بسند صحیح)

اگر دعا کے سلسلے میں وارد شدہ اس حکم عام میں نماز جنازہ کو شامل کر کے اس میں ثناخوانی کی مشروعیت کا دعوئی احناف صحیح ہے تو عام نمازوں میں اس سورۂ فاتحہ کی مشروعیت کے حکم عام کی بنا پر نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کی مشروعیت سے احناف کا انکار کرنا اور اس تفریق پر کوئی دلیل شرعی نہ پیش کرنا دوہری پالیسی اور مضطرب ومتضاد روش کے علاوہ کیا ہے ؟ خصوصا اس صورت میں کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور اس حکم شرعی پر ہمارے رسول ﷺ نے عمل کر کے دکھلایا بھی ہے جن کا ہمارے لئے اسوہء حسنہ اور قابل اتباع ہونا احناف کو بھی تسلیم ہے پھر اس فرمان شریعت اور اس کے مطابق عمل نبوی پر عمل کرنے میں طرح طرح کی نوع وبنوع حیلہ سازیوں کا استعمال کیونکر درست ہے ؟ اس حکم شرعی پر عمل سے انحراف کرنے والوں کی حیلہ سازیوں کی قباحت وشناعت اس صورت میں اور بھی زیادہ بھیانک محسوس ہوتی ہے کہ میت کی نماز جنازہ میں شرعی فاتحہ خوانی تو یہ لوگ نہیں کرتے مگر اپنی ایجاد کردہ رسمی فاتحہ خوانی اور فاتحہ کے نام پر دعوت طعام اور اس کے لوازمات کے معاملہ میں بڑے سرگرم اور تازہ دم نظر آتے ہیں۔ کیا یہ دوہری اور دورخی پالیسی نہیں ہے ؟ سنت پر عمل کے بجائے اختراعی بدعات کو دین قرار دیے لینا آخر کس قسم کی دین داری ہے ؟

عام نمازیں تو اول سے لے کر آخر تک دعاؤں ہی پر مشتمل ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے مختلف ومتعدد ناموں میں سے ایک نام سورۃ الدعاء ہی ہے۔ اس حقیقت امر پر ہمارے برادران احناف کیوں توجہ نہیں دیتے ؟ اور سورۂ فاتحہ کی قرأت کو عام نمازون کی طرح نماز جنازہ میں بھی واجب نہیں مانتے ؟

PDF Compressor Free Version

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ

نماز جنازہ بھی عام نمازوں میں سے ایک نماز ہے البتہ اس میں رکوع و سجدہ نہیں ہوتا اور حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے شریعت کے اس حکم عام سے صرف وہی نماز خارج و مستثنیٰ قرار دی جاسکتی ہے جس کے لئے شرعی دلیل موجود ہو مگر شریعت کے اس حکم عام سے نماز جنازہ کے مستثنیٰ و خارج ہونے پر کوئی بھی شرعی دلیل نہیں اس لئے نماز جنازہ میں بھی سورۂ فاتحہ کا پڑھا جانا فرض ہے اس کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی نیز شریعت کے اس حکم کے علاوہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے لئے خصوصی طور پر بھی حکم دیا گیا ہے۔ میت کی تدفین کے بعد کسی خاص متعین وقت میں رسم فاتحہ کے نام پر دعوت طعام کا اہتمام کرنے والے بدعت پرست لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ ایک طرف شریعت کے حکم کے بالکل خلاف نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کے روادار نہیں دوسری طرف تدفین کے بعد رسم فاتحہ خوانی اور رسم فاتحہ کے نام پر دعوت طعام کی بدعت ایجاد کر کے بہت ساری دوسری بدعات بھی انجام دیتے اور اس طرح کی بدعت پرستی کے باوجود اپنے کو اہل سنت کہتے پھرتے ہیں۔ اسی قسم کے طور و طریق نے مسلمانوں کو قعر مذلت میں ڈال رکھا ہے۔ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھے جانے کے شرعی وجوب سے منحرف لوگوں نے ایک گل افشانی یہ کر رکھی ہے کہ نماز جنازہ کی پہلی تکبیر کے بعد دعائے ثنا دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھنے کے ثبوت میں عام دعاؤں کے عموم والے حکم سے استدلال کرتے ہوئے خود ہی اپنا یہ اصول ظاہر کیا کہ عام نمازوں سے متعلق عمومی نصوص میں نماز جنازہ کے مسائل بھی شامل ہیں عام نمازوں سے متعلق عمومی نصوص سے بلا دلیل نماز جنازہ کے کسی مسئلہ کو مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا پھر اپنے ہی اصول کے خلاف ان لوگوں نے نماز جنازہ سے سورۂ فاتحہ کے وجوب کو بلا دلیل زبردستی خارج کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق عمل اصول پرستی کے خلاف ہے۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام عفیف

امام طبرانی نے کہا کہ:

" حدثنا عبد الله بن احمد بن حنبل حدثني محمد بن ابی بکر المقدمی وحدثنا علي بن عبد العزيز نا عاصم بن علي قالا حدثنا عبد المنعم ابو سعید الحرانی الاسواری البصری عن الصلت بن دینار عن ابی عثمان النهدی عن امرأة منهم يقال لها ام عفيف قالت بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... وأمرنا أن نقرء على ميتنا بفاتحة الكتاب " یعنی ام عفیف نہدیہ صحابیہ سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اپنے مردوں کی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کریں" (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۱۶۸ واصابہ ترجمہ ام عفیف ومجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

حضرت عفیف صحابیہ سے اس حدیث کے راوی ابو عثمان نہدی عبدالرحمان بن مل متوفی ۹۸ھ مخضرم تابعی ہیں یعنی موصوف عہد نبوی میں قبول اسلام کے شرف سے مشرف ہوگئے تھے مگر موصوف کا دیدار نبوی ثابت نہیں۔ موصوف پختہ کار ثقہ وثبت راوی حدیث ہیں۔ موصوف ابو عثمان نہدی سے اس حدیث کے راوی صلت بن دینا ازدی ھنائی بصری ابو شعیب مجنوں مجروح وساقط الاعتبار راوی ہیں۔ انہیں عام اہل علم نے متروک قرار دیا ہے (میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب وعام کتب رجال ترجمہ صلت بن دینار) البتہ موصوف صلت کی روایت کردہ اس حدیث کی معنوی متابعت کی گئی ہے اور اپنے معنوی متابع وشواہد کے اعتبار سے روایت مذکورہ معتبر وصحیح قرار پاتی ہے۔

موصوف صلت بن دینار سے اسے روایت کرنے والے عبدالمنعم ابو سعید بن نعیم بصری بھی اپنے شیخ ہی کی طرح متروک ہیں (میزان الاعتدال وتہذیب التہذیب وعام کتب رجال ترجمہ عبدالمنعم) مگر جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس روایت کے

معنوی متابع و شواہد ایسے ہیں جن سے یہ روایت معتبر قرار پاتی ہے۔ ابو سعید بصری سے اسے روایت کرنے والے دو حضرات عاصم بن علی و محمد بن ابی بکر مقدمی ہیں اور دونوں کے دونوں حضرات ثقہ و معتبر ہیں جیسا کہ عام کتب رجال میں صراحت ہے اور یہ دونوں حضرات اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کی متابعت کرنے والے بھی ہیں اور ان دونوں حضرات میں ایک صاحب عاصم بن علی سے اس کے راوی مشہور محدث علی بن عبدالعزیز ثقہ ہیں اور موصوف کئی کتابوں خاص طور پر "مسند کبیر" کے مصنف ہیں ضرور ہی موصوف نے اسے اپنی کتاب میں نقل کیا ہوگا۔ دوسرے صاحب محمد مقدمی سے اسے روایت کرنے والے امام احمد بن حنبل کے صاحب زادے امام عبداللہ مشہور و معروف ثقہ راوی اور امام حدیث ہیں مگر اس سند میں واقع دو راوی ابو سعید بصری اور صلت بن دینار کے ساقط الاعتبار ہونے کے باعث یہ روایت بہرحال اس سند کے ساتھ حجت نہیں ہے۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم نبوی بروایت ام شریک

امام ابن ماجہ نے کہا ہے:

" حدثنا عمرو بن ابی عاصم وابراهیم بن المنتشر قالا حدثنا ابو عاصم حدثنا حماد بن جعفر العبدی حدثنی شهر بن حوشب حدثنی ام شریك الانصارية قالت امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نقرء على الجنازة بفاتحة الكتاب " (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۱۴۹۶ ج ۱ ص ۹۷) و قال الطبرانی حدثنا محمد بن محمد الجذوعی القاضی ثنا عقبة بن مكرم العمی ثنا محمد بن موسی ثنا حماد بن بشير انا ابو عبد الله الشامی عن شهر بن حوشب عن ام شريك قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ على الجنازة بفاتحة الكتاب " (معجم کبیر للطبرانی ج ۲۵ ص ۹۷ و نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۷۰)

حماد بن جعفر سے اس کے راوی ابو عاصم ضحاک بن مخلد نبیل عظیم المرتبت محدث اور ثقہ وبلند پایہ معتبر راوی ہیں اور موصوف نبیل سے اسے روایت کرنے والے دونوں حضرات عمرو بن ابو عاصم وابراہم بن محمد بن منتشر بلند پایہ ثقہ ہیں اور اس روایت کی نقل میں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں۔ امام طبرانی کی روایت کے مطابق شہر بن حوشب سے اس کی نقل میں حماد بن جعفر کی متابعت ابو عبد اللہ الشامی مرزوق حمصی نے کر رکھی ہے موصوف مرزوق ابو عبداللہ شامی حمصی ثقہ راوی ہیں اس طرح شہر سے دو ثقہ و معتبر رواۃ نے نقل کر رکھا ہے لہذا درجۂ حسن سے ترقی کر کے یہ حدیث درجہ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔ مرزوق سے اسے نقل کرنے والے حماد بن بشیر جہضمی بھی ثقہ ہیں۔ حماد موصوف سے اس کے روای محمد بن موسی بن حماد بربری بغدادی متوفی ۲۹۴ھ صاحب تصانیف تھے ان پر خفیف سا کلام ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۱۴ ص ۹۱ وتاریخ خطیب ج ۳ ص ۲۴۳ ومیزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۱ وغیرہ) امید غالب ہے کہ بربری موصوف کی کتاب سے یہ روایت لی گئی ہے۔ بربری سے اسے روایت کرنے والے عقبہ بن مکرم عمی متوفی ۲۵۰ھ ثقہ وصاحب کتاب ہیں اور امام طبرانی نے ظاہر ہے کہ ان کی کتاب ہی سے روایۃً یہ حدیث نقل کی ہے۔

زیر نظر حدیث ابن ماجہ اپنے متابع وشواہد سے مل کر معتبر و صحیح ہے اور اس بات کی دلیل صریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم صادر فرمایا ہے اور اپنے اس حکم کے مطابق آپ ﷺ کا اپنا عمل بھی تھا جیسا کہ اوپر ہماری ذکر کردہ روایت طبرانی سے نیز آنے والے مباحث سے ظاہر ہے۔ یہ معلوم ہے کہ حکم نبوی عام اہل علم کے اصول سے وجوب پر دلالت کرتا ہے الا یہ کہ کوئی قرینۂ صارفہ اسے دوسرے معنی کی طرف پھرنے والا موجود ہو اور یہاں کوئی قرینہ اس طرح کا نہیں ہے بلکہ مشہور ومعروف متواتر المعنی حدیث نبوی " لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب " کے عموم سے بھی نماز جنازہ میں قرأت سورۂ فاتحہ کا واجب

وفرض اور رکن ہونا واضح ہے دریں صورت اتباع شریعت کا تقاضا ہے کہ ان نصوص کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا امام اور مقتدی سب کے لئے فرض مانا جائے۔

اس حدیث میں نیز اس معنی و مفہوم کی بعض دیگر احادیث میں اس حکم نبوی کا مخاطب خواتین کو بنایا گیا ہے جس سے یہ بات بھی مستفاد ہوتی ہے کہ عورتوں کو بھی نماز جنازہ پڑھنی چاہئے جس طرح کہ وہ عام نمازیں پڑھا کرتی ہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اس لئے اگر مردوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھتے ہوئے عورتیں نماز جنازہ نہ پڑھیں تو انہیں اس کی پوری اجازت ہے۔

صحیحین میں مروی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ امہات المومنین وخواتین نے پڑھی تھی نیز بعض دیگر دلائل سے بھی عورتوں کے لئے نماز جنازہ کی مشروعیت کا ثبوت ملتا ہے۔ عورتوں کے لئے نماز جنازہ کے مشروع ہونے والی بات خلاف نصوص ہونے کی بنا پر ساقط الاعتبار اور نا قابل التفات ہے۔

ہم اس سلسلے میں تذکرۂ حدیث ام شریک میں بتلا آئے ہیں کہ ام شریک سے اس روایت کی نقل کرنے والے شہر بن حوشب سے دو رواۃ حماد بن جعفر اور مرزوق نے اس حدیث کو نقل کیا ہے یعنی کہ ان دونوں حضرات نے اسے نقل کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کر رکھی ہے۔ مگر یہی حدیث اسماء بنت یزید سے بھی مروی ہے جس کی سند سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء سے بھی یہ روایت شہر بن حوشب نے کر رکھی ہے اور شہر بن حوشب سے اسے مذکورہ بالا دونوں رواۃ میں سے حماد بن جعفر سے بالواسطہ بھی نقل کی ہے اور بلا واسطہ بھی اور ایسا بہت ہوتا ہے مناسب ہے کہ اس جگہ اسماء بنت یزید والی روایت مع سند و متن ناظرین کرام کی معلومات کے لئے نقل کر دی جائے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم بروایت اسماء بنت یزید

امام طبرانی نے کہا کہ:

" حدثنا علي بن عبد العزيز حدثنا معلى بن اسد العمى ثنا محمد

بن حمران ثنا مرزوق ابو عبد اللہ الشامی عن ابی جعفر (ھو حماد بن جعفر) عن شہر بن حوشب عن اسماء بنت یزید قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا صلیتم علی الجنازة فاقرؤا بفاتحة الکتاب " یعنی اسماء بنت یزید نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو تو سورۂ فاتحہ پڑھو" (معجم کبیر للطبرانی حدیث نمبر ۴۱۳ ج ۲۴ ص ۱۶۲)

مذکورہ حدیث کی سند حسن اور قوی ہے یہ حسن و قوی حدیث اپنے متعدد متابع و شواہد سے مل کر درجۂ صحیح کو پہنچ جاتی ہے امام طبرانی نے اسے اپنے استاذ علی بن عبدالعزیز بن المرزبان بن شابور بغوی المتوفی ۲۸۶ھ ۲۸۷ھ سے نقل کیا ہے جو مشہور و معروف ثقہ محدث ہیں ان کی متعدد تصانیف ہیں ان میں سے ایک تصنیف "المسند الکبیر" بھی ہے (ملاحظہ ہو سیر اعلام النبلاء و تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ دار الکتب علمیہ بیروت لبنان ج ۲ ص ۶۲۲، ۶۲۳ میں موصوف بغوی کا ترجمہ نیز ملاحظہ ہو معجم المولفین ج ۷ ص ۱۲۴، الاعلام للزرکلی) موصوف بغوی کے کتنے اساتذہ وہ ہیں جو امام بخاری و مسلم اور ان کے ہم طبقہ لوگوں کے اساتذہ ہیں۔ یقین کی حد تک ظن غالب ہے کہ حدیث مذکور بغوی موصوف نے اپنی کتاب "المسند الکبیر" میں نقل کر رکھی ہوگی بہر حال موصوف کے مسند کبیر تک ہماری رسائی نہیں کہ مراجعت کر کے اس کا حوالہ دے سکیں۔

امام بغوی موصوف نے جس معلّی بن اسد العمی سے حدیث روایت کی ہے وہ صحیح بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ہیں (تہذیب التہذیب) ظاہر ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہونے کے باعث موصوف ثقہ ہیں ان کی توثیق تمام علمائے جرح و تعدیل نے کر رکھی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں زیادہ تفصیل پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

معلّی موصوف نے یہ حدیث اپنے جس استاذ محمد بن حمران بن عبد العزیز ابو

عبد القیسی البصری سے روایت کی ہے انہیں امام ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور امام ابوزرعہ نے کہا" محله الصدق " ابو حاتم رازی نے "صالح" کہا۔ ابن عدی نے" ما اری به باسا " کہا (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۱۰، ۱۱۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف حسن الحدیث راوی ہیں۔ اس لئے موصوف محمد بن حمران کی نقل کردہ یہ روایت معتبر ہے۔ اور موصوف محمد بن حمران کی روایت کردہ اس حدیث کے بہت سارے معنوی شواہد و متابع بھی ہیں اس لئے یہ حدیث دراصل حسن سے درجۂ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔

تنبیہ

امام ہیثمی کے پاس معجم کبیر للطبرانی کا جو نسخہ تھا اس میں تصحیف کی وجہ سے محمد بن حمران کا نام "معلّٰی بن حمران" لکھا ہوا تھا اور اس نام کے کسی راوی کا کوئی ذکر کتب رجال میں نہیں ہے مگر معجم کبیر کے مطبوعہ نسخہ میں تصحیف نہیں ہے اور اصل نام محمد بن حمران موجود ہے تہذیب التہذیب اور دوسری کتب رجال میں محمد بن حمران کو معلّٰی بن اسد عمی کا استاذ اور مرزوق ابو عبداللہ شامی کا شاگرد بتلایا گیا ہے مگر تصحیف والے نسخہ کی بنیاد پر امام ہیثمی نے حدیث مذکور کی بابت کہا کہ:

" وفيه معلى بن حمران ولم اجد من ذكره وبقية رجاله موثقون وفي بعضهم كلام " یعنی اس کی سند میں ایک راوی معلّٰی بن حمران واقع ہیں جن کا ذکر کرنے والے کسی عالم جرح و تعدیل کو میں نہیں جان سکا باقی اس کے سبھی رواۃ موثق ہیں اگرچہ بعض میں کچھ کلام کیا گیا ہے "(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

امام ہیثمی کی مذکورہ بالا عبارت سے دھوکا ہو سکتا ہے کہ حدیث مذکور کی سند میں ایک راوی معلّٰی بن حمران کا کتب رجال میں کوئی تذکرہ نہیں اس لئے وہ بمنزلہ مجہول ہیں مگر ہماری پیش کردہ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ راوی مذکور کا نام دراصل محمد بن حمران ہے جو معتبر اور حسن الحدیث راوی ہیں لہذا لوگ آگاہ رہیں کہ

امام ہیثمی کا کلام مذکور بے اثر ہے۔ محمد بن حمران نے یہ حدیث جس استاد سے روایت کی یعنی مرزوق ابو عبداللہ شامی انہیں ابن معین نے "لاباس بہ" یعنی ثقہ کہا اور ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۷۹) حافظ ابن حجر نے تقریب میں میں موصوف کی بات لکھا کہ "لاباس بہ من السادسۃ"

مرزوق نے یہ حدیث اپنے جس استاد ابو جعفر حماد بن جعفر بصری سے روایت کی وہ بھی ثقہ ہیں ابن معین و ابن حبان و ابن شاہین نے انہیں ثقہ کہا ہے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۶)

ابو جعفر حماد بن جعفر نے اپنے جس شیخ شہر بن حوشب سے یہ روایت کی ہے وہ مشہور تابعی ہیں اور ان کی احادیث صحیح مسلم کے رواۃ میں سے ہونے کے سبب بقول راجح موصوف معتبر راوی ہیں امام احمد نے انہیں ثقہ قرار دیکر کہا " ما احسن حدیثہ روی عن اسماء احادیث حسانا " یعنی موصوف کی روایت کردہ احسن ترین احادیث ہیں انہوں نے اسماء بنت یزید صحابیہ سے متعدد حسن احادیث روایت کی ہے امام بخاری نے بھی انہیں حسن الحدیث کہا اور ابن معین نے ثقہ کے ساتھ موصوف کو "ثبت" کہا جو بلند درجے کی توثیق ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۵)

شہر نے حدیث مذکور حضرت اسماء بنت یزید ہی سے نقل کیا ہے جس کا لازمی مطلب ہے کہ یہ حدیث امام احمد و بخاری و ابن معین کے نزدیک کم از کم حسن و معتبر ہے۔ اور معنوی طور پر یہ حدیث دوسرے طرق و اسانید سے بھی مروی ہے لہذا درجۂ صحیح کو پہنچ جاتی ہے۔

اپنے موافق مکذوبہ روایات کو دلیل و حجت بنانے کے عادی بعض تقلید پرستوں نے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ کے حاشیہ پر مذکورہ بالا حدیث کو نقل کر کے کہا کہ :

" قال ابن القیم فی الهدی یذکر عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه امر أن یقرء علی الجنازة بفاتحة الکتاب ولا یصح اسناده " یعنی حافظ ابن قیم نے کہا حدیث مذکور کی سند صحیح نہیں" (حاشیہ نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۷)

بات دراصل یہ ہے کہ اکاذیب کو دین ومذہب قرار دے لینے والے ثابت شدہ حقائق کی تکذیب کے لئے سب کچھ کر سکتے ہیں حافظ ابن قیم کی نظر میں اگر ایک حدیث کی ضعیف سند غیر صحیح ہے مگر وہی حدیث دوسری معتبر صحیح سند سے اگر مروی ہے تو اسے کیونکر غیر صحیح کہا جا سکتا ہے نیز جو حدیث صحیح نہیں اس کا حسن ہونا بعید نہیں اور حسن حدیث بھی معتبر وحجت ہوتی ہے۔ نیز اس حدیث حسن کے معنوی متابع وشواہد بھی جن میں سے بعض کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث سہل بن حنیف

امام دار قطنی وغیرہ نے معتبر سند سے نقل کیا ہے کہ:

" عن عبید بن السباق قال صلی بنا سهل بن حنیف علی جنازة فلما کبر تکبیرة الاولی قرء بام القرآن حتی اسمع من خلفه ثم تابع تکبیرة حتی اذا بقیت تکبیرة واحده تشهد تشهد الصلوة ثم کبر وانصرف " یعنی عبید بن السباق نے کہا کہ ہم کو حضرت سہل حنیت صحابی نے نماز جنازہ پڑھائی تو موصوف نے پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ بالجہر پڑھی یہاں تک کہ موصوف کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے والے جتنے مقتدی تھے سب نے ان کی اس جہری قرأت کو سنا پھر موصوف نے یکے بعد دیگرے دوسری تیسری تکبیریں کہیں حتی کہ جب آخری والی تکبیر باقی رہی تو اس میں نماز والا درود پڑھ کر موصوف نے تکبیر کہی اور نماز ختم کر کے سلام پھیر دیا (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۱ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹ و

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷) اس حدیث کی سند معتبر ہے اور یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سہل بن حنیف صحابی نے نماز جنازہ میں جو سورۂ فاتحہ کی قرأت وتلاوت کی تھی اسے انہوں نے نماز جنازہ کے افعال میں سمجھ کر کیا تھا کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر صحابی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عبادت اور اس نوع کی تمام چیزوں سے متعلق جو کام بھی وہ انجام دے وہ اس نے اپنی دانست میں حکم شرعی کے مطابق انجام دیا ہے اس اصل سے صرف اسی صورت میں عدول جائز ہے کہ معتبر اور صحیح دلیل سے ثابت ہو جائے کہ فلاں کام صحابی سے نص شرعی کے خلاف سرزد ہو گیا ہے۔ اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ اس اصل کے خلاف نص شرعی نہیں بلکہ نص اس بات پر موجود ہے کہ صحابی مذکور سہل بن حنیف کا یہ عمل فرمان شریعت کے مطابق صادر ہوا تھا لہذا یہ حدیث معنوی طور پر مرفوع حکمی ہے۔

اس حدیث سے ایک طرف جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم شریعت نے دے رکھا ہے اسی شرعی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت سہل بن حنیف نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی وہیں دوسری طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہی دوسری تکبیر سے پہلے پڑھنی چاہئے تیسری طرف سے معلوم ہوا کہ حضرت سہل نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ جہر کے ساتھ پڑھی تھی اس لئے امام کے لئے نماز جنازہ میں جہر ہی کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا تفصیل مذکور کے مطابق مسنون ومشروع ہے۔

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابن عباس

امام طبرانی نے کہا:

" حدثنا عبد الرحمن بن سلمة الرازی ثنا سليم بن منصور بن عمار ثنا يحى بن يزيد بن عبد الملك بن المغيرة النوفلی حدثنی عيسى بن سبرة ابوعبادة الزرقی عن الزهری عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة عن ابن

عباس قال أتى بجنازة سهل بن عتيك وكان اول من صلى عليه فى موضع الجنائز فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فصلى وكبر فقرأ بام القرآن فجهر بها ثم كبر الثانية وصلى على نفسه وعلى المرسلين ثم كبر الثالثة فدعا للميت الى أن قال ثم كبر الرابعة فدعا للمومنين ثم سلم " یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ مدینہ منورہ میں نماز جنازہ پڑھی جانے والی جگہ میں سب سے پہلے نماز جنازہ سہل بن عتیک پر پڑھی گئی موصوف ابن عتیک کا جنازہ جب مقام مذکور پر خدمت نبوی میں لایا گیا تو آپ ﷺ ان کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور ان کی نماز آپ ﷺ نے پڑھائی چنانچہ تحریمہ کہہ کر آپ ﷺ نے بالجہر سورۂ فاتحہ پڑھی پھر آپ ﷺ نے دوسری تکبیر کہہ کر اپنے اوپر اور تمام رسولوں پر درود پڑھا پھر تیسری تکبیر کہہ کر آپ ﷺ نے مومنوں کے لئے دعا کی اور سلام پھیر دیا (معجم اوسط للطبرانی ج ۱ ص ۲۹۱ و کتاب الدعا للطبرانی ج ۳ ص ۱۳۵۸ حدیث نمبر ۱۱۹۰، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲، ۳۳)

مذکورہ بالا حدیث امام ابن مندہ نے طبرانی والی سند کے علاوہ دوسری سند سے اپنی کتاب معرفۃ الصحابہ میں روایت کی ہے مگر یہ سند بھی یحی بن یزید بن عبدالملک سے جا کر مل جاتی ہے (اصابہ لابن حجر ج ۲ ص ۸۸ و ۸۹) معلوم ہوتا ہے کہ یحی بن یزید تک اس حدیث کی سند میں ایک دوسرے سے مل کر معتبر ہو جاتی ہیں مگر یحی بن یزید نوفلی بذات خود اہل علم کے یہاں مختلف فیہ ہیں۔ امام ابوزرعہ رازی و امام احمد بن حنبل نے موصوف کو " لاباس بہ " کہا (لسان المیزان ترجمہ یحی بن یزید نوفلی) اور یہ لفظ کلمات توثیق میں سے ہے۔ امام ابن معین نے بھی موصوف کی بابت " لاباس بہ " کہا ہے (لسان المیزان ترجمہ یحی) ان چاروں اماموں یعنی ابن معین و ابوزرعہ و احمد بن حنبل وغیرہ کی اس توثیق کے بالمقابل ابن معین سے معاویہ بن صالح نے یحی بن یزید موصوف کی بابت "لیس حدیثہ بذاک" کا قول نقل کیا مگر اولا موصوف یحی بن یزید کی

بابت ابن معین سے مروی شدہ یہ قول یحی نوفلی کی بابت ابن معین سے مروی اس قول کے معارض ہے جو مذکورہ بال تینوں اماموں کے موافق ہے اس لئے ان اماموں کے معارض ابن معین کا جو قول ہے وہ قابل قبول ہے اور جو موافق ہے وہ غیر مقبول ہے یا پھر دونوں کو باہم متعارض مان کر دونوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا جائے دریں صورت ابن معین کی توثیق و تجریح دونوں کالعدم ہو جاتی ہے اور باقی تینوں اماموں کی توثیق بر قرار رہتی ہے ثانیا موصوف یحی نفیلی کی بابت ابن معین سے مروی شدہ تجریح والا قول جرح مبہم و مجمل اور غیر معتبر ہے اور جرح مبہم ثابت شدہ توثیق کے بالمقابل کالعدم ہوا کرتی ہے لہذا موصوف یحی نفیلی کا ثقہ ہونا بر قرار رہتا ہے ثالثا ابن معین سے نفیلی کی بابت مروی شدہ ظاہر الاختلاف دونوں باتوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے کہا جائے کہ موصوف بلند درجے کے ثقہ ہونے کے بجائے اوسط درجہ کے ثقہ ہیں دریں صورت موصوف کی روایت کردہ حدیث مصطلح "صحیح" ہونے کی بجائے "حسن" قرار پائے گی اور "حدیث حسن" بھی حجت و معتبر ہوا کرتی ہے جب کہ وہ احادیث صحیحہ کے معارض نہ ہو۔

ان متقدمین کی توثیق نفیلی کے بالمقابل متأخر امام ابن عدی نے نفیلی کی بابت " الضعف علی حدیثه بین " کہا (میزان الاعتدال ترجمہ یحی نفیلی) اور یہ معلوم ہے کہ عام متقدم اہل علم کے بالمقابل متأخر کی تجریح کا اعتبار نہیں اگر اعتبار ہوگا تو اس قدر کہ موصوف نفیلی کو بلند پایہ ثقہ ماننے کے بجائے اوسط درجہ کا ثقہ مانا جائے گا۔ دریں صورت موصوف نفیلی کی روایت کردہ حدیث کا معتبر و قابل حجت ہونا ظاہر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ نفیلی کی روایت کردہ حدیث کا معتبر و قابل حجت ہونا ظاہر ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ نفیلی تک اس روایت کی سند معتبر ہے مگر نفیلی موصوف نے یہ حدیث جس ابو عبادہ عیسی بن سبرۃ زرقی سے نقل کی ہے اور انہیں عیسی بن عبدالرحمن بن فروہ انصاری زرقی مدنی کہا جاتا ہے وہ ضعیف و غیر معتبر و منکر

الحدیث و متروک ہیں (تہذیب التہذیب ترجمہ عیسیٰ بن عبدالرحمٰن ابو عبادہ زرقی) لہٰذا اس سند کے راوی موصوف زرقی کے سبب یہ روایت اس سند کے ساتھ ساقط الاعتبار ہے مگر اس حدیث کے معنوی متابع و شواہد ہیں جن سے یہ حدیث صحیح و معتبر قرار پاتی ہے۔ ابو عبادہ کے بعد والی سند کے رواۃ ثقہ و معتبر ہیں اور ابو عبادہ کے معنوی متابع و شواہد موجود ہیں۔ ابن عباس سے دوسری سندوں کے ساتھ بھی یہ حدیث مروی ہے اور ان سندوں کے مجموعہ سے مستخرج ہوتا ہے کہ یہ حدیث معتبر ہے۔

اس روایت سے متعدد مسائل مستفاد ہوتے ہیں (۱) سہل بن عتیک رضی اللہ عنہ صحابی کی وفات سے پہلے نماز جنازہ پڑھنے کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر اور متعین نہیں تھی اس لئے اس مقام خاص کی تعیین سے پہلے جہاں کہیں مناسب معلوم ہوتا موقع کی مناسبت سے نماز جنازہ پڑھ لی جایا کرتی تھی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس تعیین کے بعد دوسری جگہ کسی کی نماز جنازہ عہد نبوی میں پڑھی ہی نہیں گئی کیونکہ ازواج مطہرات اور ان کے ساتھ دوسری خواتین عام طور سے مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھ لیا کرتی تھیں۔ (۲) نماز جنازہ میں آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے زیادہ تکبیریں آپ ﷺ کبھی نماز جنازہ میں کہتے ہی نہیں تھے البتہ عام طور سے زیادہ تر یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ چار تکبیریں کہا کرتے تھے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھار آپ ﷺ ان سے زیادہ تکبیریں بھی کہتے تھے۔ (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسری تکبیر کے پہلے یعنی ابتدائی دو تکبیروں کے درمیان آپ ﷺ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور یہ بات دوسری معتبر روایات سے ثابت ہے لہٰذا متعین طور پر سورۂ فاتحہ تکبیر تحریمہ کے بعد دوسری تکبیر سے پہلے پڑھنا چاہئے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد صرف قرأت فاتحہ پر اکتفا کرتے تھے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ سورۂ فاتحہ کے ساتھ مزید کوئی دوسری سورہ نہیں ملاتے تھے اگرچہ صرف سورہ

فاتحہ پر اکتفا کرنا کافی ہے مگر چونکہ دوسری معتبر روایات سے مزید دوسری سورہ کا ملانا ثابت ہے اس لئے مزید دوسری سورہ کا نماز جنازہ میں ملالینا سنت ہے (۴) سورہ فاتحہ کی قرأت امام جہر کے ساتھ کرے اور یہ بات دوسری روایات معتبرہ سے ثابت ہے اور اس حدیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سورہ فاتحہ کے علاوہ نماز جنازہ میں درود اور دعائے مغفرت بالجہر کرتے تھے اور دوسری روایت سے بھی اس کا ثبوت ہے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے (۴) سورہ فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر آپ ﷺ درود شریف پڑھا کرتے تھے اور یہ بات دوسری روایات معتبرہ سے بھی ثابت ہے صرف بعض غیر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد آپ ﷺ دعائیں پڑھا کرتے تھے (۵) درود سے فارح ہو کر آپ ﷺ تیسری تکبیر کہتے اور اس میں میت کے لئے دعا کرتے تھے اور یہ بات دوسری معتبر روایات سے ثابت ہے (۶) دعائے میت سے فارغ ہو کر آپ ﷺ چوتھی تکبیر کہتے اور اس میں آپ ﷺ مومنین کے لئے دعا کرتے مگر عام روایات میں اس کا ذکر نہیں ملتا کہ اگر آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار تکبیروں ہی پر اکتفا کرتے تو چوتھی تکبیر کے بعد مومنین کے حق میں دعا کرتے پھر سلام پھیرنا آپ کا معمول تھا مگر اس میں صراحت نہیں کہ آ ﷺ بالجہر سلام پھیرتے یا بالسر اور دونوں طرف سلام پھیرتے تھے اور چونکہ یہ حدیث تن تنہا سند مذکور کے ساتھ ساقط الاعتبار ہے اس لئے چوتھی تکبیر کے بعد الگ سے مومنین کے لئے دعا پڑھے بغیر سلام پھیر دینا چاہئے چوتھی تکبیر سے پہلے تیسری تکبیر کے بعد جو دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں ان میں میت کے ساتھ عام مومنین کے لئے بھی دعا کی جاتی ہے اس لئے الگ سے چوتھی تکبیر کے بعد عام مومنوں کے لئے دعا پڑھنی صحیح نہیں (۷) چوتھی تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیرتے تھے یا ایک ہی طرف۔ ہمارے نزدیک معتبر روایات کی بنا پر امام کو بالجہر دونوں طرف سلام پھیرنا چاہئے ہاں اگر صرف ایک سلام پر بھی اکتفا کرے تو جائز ہے مگر اصل سنت اور

بہتر طریقہ دو سلام ہی کا ہے۔ (۸) سلام پھیر نے کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ پر الگ سے مزید دعا آپ ﷺ نے نہیں پڑھی کسی روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور ثبوت کے بغیر کسی قسم کی عبادت درست نہیں کیونکہ عبادت توفیقی چیز ہے اور دعا عبادت ہے۔

اب ہم مذکورہ بالا حدیث ابن عباس کے مزید متابع وشواہد کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ناظرین کرام توجہ سے مطالعہ فرمائیں۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث جابر بن عبد اللہ

امام حاکم نے کہا کہ:

" حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب انا الربيع بن سليمان انبانا الشافعي ثنا ابراهيم بن ابى يحى ثنا عبد الله بن محمد بن عقيل عن جابر بن عبد الله الانصارى قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر على جنائزنا اربعا ويقرأ بفاتحة الكتاب في التكبيرة الاولى " یعنی حضرت جابر بن عبد اللہ صحابی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے جنازوں پر نماز پڑھتے وقت چار تکبیریں کہتے تھے اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے" (مستدرک حاکم ج ا ص ۳۵۸ و سنن بیہقی وغیرہ) مذکورہ بالا حدیث کے ایک راوی ابراہیم بن ابن یحی پر کلام ہے اور موصوف بقول راجح ساقط الاعتبار ہیں اگر چہ بہت سے اماموں نے موصوف کی تعدیل وتوثیق بھی کی ہے موصوف کا صدوق ہونا واضح ہے مگر غیر معتبر ہونا بھی مسلم ہے مگر موصوف کی معنوی متابعت موجود ہے اس لئے اپنے معنوی متابع وشواہد سے مل کر یہ حدیث صحیح ومعتبر قرار پاتی ہے۔ اس حدیث پر امام ذہبیؒ نے تلخیص مستدرک میں کوئی کلام نہیں کیا ظاہر ہے کہ شواہد ومتابع کے پیش نظر انہوں

نے کلام نہیں کیا ہے۔ اس حدیث کا مفاد یہ بھی ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ متعین ہے اور پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھنے کی تعیین ابوامامہ باہلی والی حدیث صحیح میں بھی وارد ہوئی ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ابوامامہ

مختلف و متعدد اسانید و طرق سے مروی ہے کہ امام زہری نے کہا کہ:

" سمعت ابا امامة یحدث سعید بن المسیب قال السنة فی الصلوة علی الجنائزة أن تکبر ثم تقرأ بام القرآن ثم تصلی علی النبی صلی ا اللہ علیه وسلم ثم تخلص الدعاء للمیت ولا تقرء الا فی التکبیرة الاولی " یعنی حضرت ابوامامہ سعید بن المسیب سے حدیث بیان کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ تم پہلی مرتبہ تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھو اس کے بعد دوسری تکبیر میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھو پھر تیسری تکبیر میں میت کے لئے خالص طور پر دعا کرو اور تم سورہ فاتحہ صرف تکبیر تحریمہ کے بعد ہی پڑھو اس کا خاص خیال رکھنا" (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۱، المنتقی لابن الجارود ص ۲۶۵، قاضی اسماعیل "کتاب الصلوۃ علی النبی ص ۹۶، ۹۷، قال الحافظ فی فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۴ اسنادہ صحیح)

مذکورہ بالا حدیث اپنے پہلے منقول شدہ حدیث جابر کی معنوی متابع و شاہد ہے۔ اپنے بیان میں ابوامامہ نے جو یہ کہا کہ یہ سنت ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھو تو اس کا مقصد سورہ فاتحہ کا نماز جنازہ میں پڑھنے کا محل متعین کرنا ہے اور لفظ سنت سے موصوف کی مراد دستور و قانون ہے نہ کہ فرض کے بالمقابل سنت والی اصطلاح مراد ہے کیونکہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ نماز جنازہ سمیت نمازوں میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور رکن ہے۔

واضح رہے کہ ابوامامہ صحابی سے مراد اسعد بن سہل بن حنیف انصاری ہیں جو صغار صحابہ میں سے ہیں۔ موصوف عام طور پر کبار صحابہ کرام کے واسطہ سے احادیث

نبو یہ بیان کرتے ہیں اور نبی ﷺ سے بلاواسطہ موصوف کی روایت مرسل ہوا کرتی ہے البتہ صحابہ کی مرسل روایت بالاتفاق حجت ہے اور جب کوئی صحابی کسی بات کو سنت کہہ کر بیان کرے تو عام اہل علم کہتے ہیں کہ وہ مرفوع حدیث نبوی ہے یعنی کہ معنوی طور پر حدیث نبوی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اس لئے یہ اس سلسلے میں وارد شدہ دوسری روایات کی قوی متابع وشاہد ہے۔

چونکہ ابوامامہ موصوف صغار صحابہ میں سے ہیں اور عام طور سے صحابہ کے واسطہ سے احادیث روایت کرتے ہیں اس لئے دوسری سندوں کے ساتھ منقول ہے کہ حدیث مذکور موصوف نے " رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے روایت کی ہے (اصابہ ج۲ ص۸۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوامامہ صحابی نے یہ حدیث کئی صحابہ سے روایت کی ہے۔ بعض روایات میں "رجل من اصحاب النبی ﷺ" کا لفظ آیا ہوا ہے اور دونوں میں کوئی معنوی اختلاف نہیں کیونکہ جو حدیث راوی متعدد افراد سے سنے ہوتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے فلاں شخص واحد سے یا ایک شخص سے سنا ہے اور اسے وہ یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ میں نے متعدد افراد سے اسکو سنا ہے۔

بہر حال ابوامامہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث مذکور کو معنوی طور پر رسول اللہ ﷺ سے متعدد صحابہ بیان کرتے تھے اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اب تک ہم متعدد صحابہ سے حدیث مذکور کو سند و متن کے ساتھ نقل کر چکے ہیں اور آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا یعنی ام عفیف، ام شریک، اسماء بنت یزید، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، ابوامامہ اور معلوم ہوتا ہے کہ حدیث مذکور حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باہلی سہل بن حنیف جیسے معروف صحابی سے بھی مروی ہے بعض روایات اور کتب حدیث میں اس کی صراحت نظر آتی ہے۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث ضحاک بن قیس

حافظ ابن حزم اور دوسرے کئی محدثین نے بسند صحیح ابوامامہ اور ضحاک بن قیس دونوں سے نقل کیا کہ :

" السنة فی الصلوة علی الجنازة ان یقرء فی التکبیرة الاولی مخافتة ثم یکبروا لتسلیم عند الآخرة وعن سلمة بن نبیط عن الضحاك بن قیس قال یقرء ما بین التکبیر تین الاولیین فاتحة الکتاب " یعنی ان دونوں صحابہ (ابو امامہ اور ضحاک بن قیس) نے کہا کہ نماز جنازہ میں سنت یہ ہے کہ پہلی تکبیر مراد تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسری تکبیر کے پہلے یعنی دونوں ابتدائی تکبیروں کے درمیان سورہ فاتحہ پڑھی جائے بآواز آہستہ پھر تکبیر کہی جائے اور سلام آخری تکبیر مراد چوتھی تکبیر کے ساتھ پھیر اجائے" (المحلی لابن حزم ج ۵ ص ۱۹۲ وارواء الغلیل للالبانی ج ۳ ص ۱۲ ۳ وکتاب الدعاء للطبرانی، مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۸۹، سنن نسائی ج ۴ ص ۷۵، ومسند شافعی ج ۱ ص ۲۱۰، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹ وغیرہ)

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق حدیث حبیب بن مسلمہ

امام بیہقی وغیرہ نے بسند صحیح حضرت حبیب بن مسلمہ صحابی سے مذکورہ بالا معنی ومفہوم کی حدیث نقل کی ہے (عون المعبود والتعلیق المغنی) اور ان سب کا حاصل یہ ہے کہ بہت سارے صحابہ نے یہ حدیث نبوی نقل کی ہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل بھی تھا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا چاہئے اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تواتر معنوی کے ساتھ یہ حدیث نبوی مروی ومنقول ہے کہ نماز جنازہ میں

دیگر نمازوں کی طرح سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔ اس ثابت شدہ فرمان نبوی کے مطابق ظاہر ہے کہ عام صحابہ اور ان کے بعد آنے والے اسلاف کا عمل رہا اس فرمان نبوی سے صرف انہیں بعض اسلاف کا اختلاف ممکن ہے جو کسی بھی وجہ سے اس فرمان نبوی سے باخبر نہیں ہو سکے اور ان پر کسی قسم کا عذر اس حدیث پر عمل کرنے سے مانع رہا۔ کسی حکم شرعی کا علم نہ ہونے یا کسی بھی معقول عذر کے سبب سلف میں سے کسی کا اس کے خلاف عمل صادر ہو جانا دوسروں کے لئے خلاف شرع عمل کیلئے حجت و دلیل نہیں ہو سکتا جن کو اس حکم شرعی کا علم ہو جائے ان کے لئے کوئی بھی عذر مسموع نہیں بلکہ یہ قابل مواخذہ غلطی ہو گی۔

اب ہم بعض ایسی روایات صحیحہ نقل کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وفات نبوی کے بعد عام صحابہ متفقہ طور پر بالاجماع نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور اس سلسلے میں وہ فرمان نبوی پر پوری طرح کاربند تھے۔ ناظرین کرام آنے والے مباحث کو توجہ اور دھیان سے اس عقیدت کے ساتھ پڑھیں کہ جس نبی اور جن اسلاف کی محبت کا ہم دم بھرتے ہیں ان سے جس مسئلہ میں جس طرح کی بات منقول ومروی ہو ہم کو اسی پر کاربند ہونا چاہئے۔ سچی عقیدت و محبت کا یہی تقاضا ہے۔

واضح رہے کہ ضحاک بن قیس فہری صغار صحابہ میں سے ہیں اور اس بات پر تمام لوگوں کا تقریباً اجماع ہے کہ صحابی خواہ صغیر ہو یا کبیر اگر وہ کسی بات کو سنت کہتا ہے تو اس کی بیان کردہ بات حدیث نبوی کے حکم میں ہے۔ موصوف ضحاک ۶۴ھ میں مقتول ہوئے تھے۔ اسی طرح حبیب بن مسلمہ بھی صغار صحابہ میں سے ہیں دونوں کے تراجم اصابہ و تہذیب التہذیب اور عام کتب رجال میں مذکور ہیں۔

خلیفہ راشد و صدیق اکبر و عمر فاروق کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی گئی

امام ابو بکر بن ابی شیبہ نے کہا کہ :

” حدثنا یحیی بن آدم عن شریک عن ابی ہاشم الواسطی عن فضالة

مولى عمر أن الذى صلى على ابى بكر وعمر قرء عليه بفاتحة الكتاب"۔ یعنی فضالہ مولی عمر فاروق نے کہا کہ جس امام نے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر بن خطاب فاروق کی نماز جنازہ پڑھائی اس نے ان کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸)

اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں بھی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو امام بخاری فرماتے ہیں کہ :

" فضالة بن ابى امية والد مبارك قال كاتبنى عمر (هو ابن الخطاب الخليفة الراشد) وقال بعضهم انما كاتب عمر ابا امية روى عنه عبد الملك بن ابى بشير وقال اسحاق بن كعب اخبرنا شريك عن ابى هاشم عن فضالة بن ابى امية قال قرء الذى صلى على ابى بكر وعمر رضى الله عنهما بفاتحة الكتاب" (تاریخ کبیر للبخاری ج ۷ ص ۱۲۵ نیز الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۷ ص ۷۷ ق ۲،۱ للمنتقی لابن تیمیہ ج ۲ ص ۸۷ واصابہ لابن حجر ج ۳ ص ۲۱۳، ۲۱۴)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور کے راوی فضالہ بن ابی امیہ مشہور و معروف محدث مبارک بن فضالہ بن ابی امیہ ابو فضالہ بصری متوفی ۱۶۶ھ کے والد تھے اور موصوف فضالہ یعنی والد مبارک بن فضالہ حضرت عمر بن خطاب کے مولی تھے جن کو حضرت عمر نے مکاتب بنا کر آزاد کیا تھا ان سے عبد الملک بن ابن بشیر بصری اور ابو ہاشم رمانی روایت حدیث کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے موصوف فضالہ کو مخضرم تابعین میں شمار کیا ہے جنہیں عہد نبوی ملا تھا اور عہد نبوی میں مسلمان ہوئے مگر دیدار نبوی کا شرف نہیں حاصل ہو سکا (اصابہ ج ۳ ص ۲۱۳، ۲۱۴)

فضالہ موصوف کو امام ابن حبان نے اپنی کتاب الثقات کے ثقات تابعین میں ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو ثقات ابن حبان ج ۵ ص ۲۹۷) موصوف سے روایت کرنے

والے دونوں حضرات یعنی ابو ہاشم واسطی اور عبدالملک بن ابی بشیر مشہور و معروف ثقہ محدث اور راوی حدیث ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق قاضی شریک سے اس حدیث کو نقل کرنے والے دو حضرات یحیی بن آدم اور اسحاق بن کعب ابو یعقوب اسے روایت کرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کر رہے ہیں یحیی بن آدم مشہور و معروف ثقہ اور صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں۔ اسحاق بن کعب ابو یعقوب مولی بنی ہاشم بھی ثقہ و صدوق محدث ہیں۔ امام ابو حاتم رازی نے انہیں صدوق کہا اور امام ابن حبان نے ثقہ قرار دیا (تاریخ بغداد للخطیب ج ۶ ص ۳۳۳، ۳۳۴، لسان المیزان ج ۱ ص ۳۶۹، ثقات ابن حبان وجرح وتعدیل لابن ابی حاتم ترجمہ اسحاق بن کعب)

ابو الفتح ازدی موصلی نے توثیق ائمہ کے بالکل بر خلاف اپنی عادت کے مطابق بلا وجہ وسبب موصوف اسحاق بن کعب کو "منکر الحدیث" کہہ دیا ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں صراحت کی ہے ابو الفتح ازدی کا نام محمد بن حسین ہے۔ موصوف ازدی بقول خویش وضع حدیث کے معترف تھے۔ موصوف کا جامع تعارف ہم نے اپنی کتاب "اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات ج ۱ ص ۶۱، ۶۲ میں کر دیا ہے۔ موصوف کے ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ خطیب بغدادی ج ۲ ص ۲۴۳، ۲۴۴، کتاب الانساب للسمعانی ج ۱ ص ۵۱، الصارم المنکی للحافظ ابن عبدالهادی ج ۱۵۵، میزان الاعتدال ج ۳ ص ۶ ۴، لسان المیزان ج ۵ ص ۱۳۹، ۱۴۰، ھدی الساری مقدمہ فتح الباری ترجمہ اسرائیل بن موسی، تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۷۶، الاجوبۃ الفاضلہ لفرنگی محلی ص ۱۷۸، ۱۷۹، سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی ج ۱ ص ۲۴۳)

دریں صورت موصوف اسحاق بن کعب کی ثابت شدہ توثیق و تعدیل کے بالمقابل ازدی جیسے متاخر و مجروح آدمی کی تجریح ساقط الاعتبار ہے۔ پھر اسحاق بن

کعب کی متابعت امام یحییٰ بن آدم جیسے بلند پایہ ثقہ محدث نے کر رکھی ہے اگر موصوف یحییٰ بن آدم اس روایت کی نقل میں منفرد بھی ہوتے تو اس حدیث کے معتبر ہونے میں کوئی خلل نہ ہوتا پھر تو اسحٰق بن کعب کی متابعت کے باعث اس کے پایۂ اعتبار میں مزید استحکام آگیا۔

ان دونوں حضرات نے حدیث مذکور قاضی شریک بن عبد اللہ نخعی کوفی متوفی ۱۷۷ھ، ۸ے۱ھ سے نقل کی ہے جو صحیحین کے رواۃ میں سے ہیں جس کا مطلب یہ کہ موصوف بھی ثقہ و معتبر ہیں نیز موصوف کی معنوی متابعت بھی پائی جاتی ہے۔ قاضی شریک واسط اور کوفہ و بغداد کے قاضی رہ چکے ہیں ان کا مختصر سا تعارف ہم نے اللمحات میں کرایا ہے۔

قاضی شریک نے حدیث مذکور ابو ہاشم واسطی رمانی یحیی بن دینار بن ابی الاسود متوفی ۱۲۰ھ سے نقل کی ہے۔ موصوف ابو ہاشم نے بتصریح حافظ ابن حجر حضرت انس بن مالک صحابی کو دیکھا ہے اس اعتبار سے موصوف ابو ہاشم تابعی ہیں انہیں عام اہل علم نے متفق اللسان ہو کر ثقہ و معتبر کہا ہے۔ امام ابن عبد البر نے کہا کہ:

" اجمعوا علی انہ ثقۃ " یعنی موصوف ابو ہاشم کے ثقہ ہونے پر سب کا اجماع ہے" (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۲۸۶، ۲۸۷ باب الکنیٰ)

موصوف ابو ہاشم واسط کے رہنے والے تھے ظاہر ہے کہ قاضی شریک کا ان سے اچھا خاصا تعلق واسط کے زمانۂ قضا میں بھی رہا ہوگا۔

ابو ہاشم نے حدیث مذکور جس فضالہ بن ابی امیہ سے نقل کی ہے ان کا تعارف ہو چکا ہے۔ الغرض یہ حدیث سند کے اعتبار سے معتبر و صحیح ہے اور اس بات کی دلیل صریح ہے کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی قرأت کے ضروری ہونے پر عام صحابہ متفق تھے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ پڑھانے والے خلیفہ

راشد حضرت عمر بن خطاب تھے جیسا کہ عام کتب تاریخ میں مذکور ہے۔ نیل الاوطار ج ۵ ص ۷۹ میں بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۶۴ (نیز یہ روایت حافظ ابن حزم نے المحلی ج ۵ ص ۲۳۹، ۲۴۰ میں بھی بسند صحیح نقل کی ہے منقول ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ مسجد میں حضرت عمر فاروق نے پڑھائی تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۰۶ و ص ۲۰۷ و ۳۶۸) یہ معلوم ہے کہ وفات نبوی کے صرف ڈھائی سال بعد حضرت ابو بکر صدیق فوت ہوئے تھے اس وقت اکابر صحابہ موجود تھے اور جنازہ صدیق میں عام اکابر صحابہ موجود تھے ان سب کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موصوف کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا اور اس پر کسی کا نکیر نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے۔

یہ معلوم ہے کہ حضرت عمر فاروق عام امور میں سنت نبویہ اور سنت ابی بکر صدیق کا اتباع کرتے تھے اس کا علم حضرت عمر کے اس قول سے ہوتا ہے کہ موصوف نے پوری صراحت کے ساتھ کہا تھا کہ "هما المرأن اقتدى بهما" یعنی جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق وہ آدمی ہیں جن کی میں اقتدا و اتباع کرتا ہوں (صحیح البخاری میں یہ حدیث مختلف مقامات پر مروی ہے نیز ملاحظہ ہو ہماری کتاب اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶ و اعلام الموقعین ج ۱ ص ۶۲ و حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۹ و مسند دارمی ص ۳۲، ۳۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ حضرت عمر فاروق اتباع سنت نبوی و اتباع صدیقی میں کرتے تھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نبی ﷺ سے کئی اسانید معتبرہ سے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کا حکم دینا ثابت ہے امام مزی کی کتاب الجنائز میں ابو بکر صدیق اور دوسرے صحابہ سے منقول ہے کہ یہ لوگ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (عون المعبود ج ۸ ص ۵۰۶) اس تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے اور دوسرے خلفائے راشدین نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سنت نبویہ کے مطابق پڑھا کرتے تھے اور ہم کو

شریعت نے حکم دے رکھا ہے کہ نصوص شرعیہ کے موافق جو سنت خلفائے راشدین ہو ہم اس کا اتباع کریں خاص طور سے " اقتدوا بالذین من بعدی ابا بکر وعمر" یعنی کہ ابو بکر و عمر کی اقتدا کرو۔

فضالہ کی بیان کردہ حدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصوص شرعیہ کے مطابق حضرت ابو بکر صدیق کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی اسی طرح موصوف کی نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھی گئی۔ حضرت عمر کی نماز جنازہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اکابر و اصاغر صحابہ کی موجودگی میں پڑھائی تھی (عام کتب سیر و تاریخ) وطبقات ابن سعد ج ۳ ص ۳۶۴، ۳۶۸)

حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب کو خلفائے راشدین میں شمار کیا جاتا ہے موصوف امام حسن نماز جناز میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷ ورواہ ابن المنذر کما فی فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۳) حضرت عبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن زبیر و مسور بن مخرمہ وابو ہریرہ سے اسی طرح کی بات منقول ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷، ۲۹۸، فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۳)

بعض صحابہ سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے بعد "الحمد" پڑھا کرتے تھے جس کا مطلب ہمارے نزدیک اس کے علاوہ کچھ اور نہیں کہ یہ حضرات تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ الحمد کے ظاہر معنی سورہ فاتحہ ہی ہیں اس لئے کہ سورہ فاتحہ کے مختلف ناموں میں سے ایک نام الحمد بھی ہے۔

ہماری مذکورہ بالا بات کی تائید امام ابن حزم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ:

" حدثت عن ابی هريرة وابی الدرداء وانس بن مالك وابن عباس انهم كانوا يقرؤن بفاتحة الكتاب فی الجنائز " یعنی مجھے ابو ہریرہ ابو درداء، انس بن مالک وابن عباس جیسے صحابہ کے بارے میں یہ حدیث بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۲)
اسی معنی ومفہوم کی بات امام بیہقی نے السنن الکبری میں بھی کہی ہے۔

اوپر حضرت ابو امامہ والی اس حدیث کا ذکر آچکا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہی دوسری تکبیر سے پہلے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے اور دوسری کئی روایات سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے اس معنی ومفہوم کی بعض دیگر روایات کا ذکر آگے آرہا ہے۔

بعض صحابہ وتابعین سے مروی ہے کہ وہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے امام حسن بصری سے بسند صحیح مروی ہے کہ موصوف نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۴۹۱ ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۴)

لیکن چونکہ ہر تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا ثبوت حدیث نبوی سے نہیں ہے بلکہ صرف ایک بار پہلی تکبیر میں سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کرنے کا ذکر احادیث نبویہ میں آیا ہے اس لئے اس سے تجاوز کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

حدیث ابی ہریرہ

امام مالک وقاضی اسماعیل نے سعید مقبری سے روایت کی کہ:

" انہ سأل ابا ہریرۃ کیف نصلی علی الجنازۃ ؟ فقال انا لعمر اللہ اخبرك اتبعھا من اھلھا فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ وصلیت علی نبیہ ثم اقول اللھم انہ عبدك الحدیث " یعنی سعید مقبری نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھا کرتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا کہ میں میت کے گھر والوں کے ساتھ ہو کر جنازہ کے پیچھے پیچھے چلتا ہوں پھر جب وہ نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ رکھ دی جاتی ہے تو تکبیر تحریمہ کہتا ہوں اور اللہ کی حمد کرتا ہوں پھر رسول ﷺ پر درود پڑھتا ہوں پھر میت کے لئے یہ دعا پڑھتا ہوں (یہاں دعا مذکور ہے) رواہ مالک فی الموطا ج ۱ ص ۲۲۷، موطا محمد ص ۱۶۴، ۱۶۵ واسماعیل القاضی فی فضل الصلوۃ علی

النبی ﷺ ص ۲۷)

اس روایت میں تکبیر تحریمہ کے بعد حمد الٰہی کرنے کا مطلب سورہ فاتحہ پڑھنا ہے کیونکہ دوسری روایات سے اس کی تعیین ہوتی ہے اور نبی پر درود ظاہر ہے کہ موصوف دوسری تکبیر کے بعد پڑھتے تھے اسی طرح دعا تیسری تکبیر کے بعد پڑھتے تھے۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے مگر معنوی طور پر مرفوع ہے حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت اس طرح منقول ہے کہ:

" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد قرء علی الجنازۃ اربع مرات الحمد للہ رب العالمین " یعنی نبی ﷺ نماز جنازہ میں چار مرتبہ الحمد للہ رب العالمین کی قرأت کرتے تھے مطلب یہ کہ تلاوت سورہ فاتحہ کرتے تھے (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال فی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲، وفیہ ناھض بن القاسم لم اجد من ترجمہ وبقیہ رجالہ ثقات)

مذکورہ بالا روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں چار بار سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تھے مگر یہ روایت عام روایات اور عمل متوارث کے بالکل خلاف ہونے کے ساتھ باعتبار سند غیر معتبر ہے اس کی سند کے ایک راوی ناھض بن القاسم کو امام ہیثمی نے مجہول قرار دیا ہے۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ:

" لم یوقت لنا فی الصلوۃ علی المیت قراۃ ولا قول کبر ما کبر الامام واکثر من طیب الکلام " یعنی ہمارے لئے نماز جنازہ میں کوئی مخصوص طور پر قرأت اور کوئی دوسری بات متعین ومقرر نہیں کی گئی ہے امام جتنی تکبیریں کہے تم بھی اتنی تکبیریں کہو اور اچھے اچھے دعائیہ کلمات بکثرت استعمال کرو" (مسند احمد ورجالہ رجال الصحیح)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور درود کے علاوہ کوئی چیز متعین

طور پر نماز جنازہ میں پڑھنے کے لئے نہیں مقرر ہے کیونکہ سورہ فاتحہ ودرود کا متعین ومقرر ہونا دلائل صریحہ سے واضح ہے۔ امام ابن المنذر وغیرہ نے ابن مسعود سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا نقل کیا ہے (فتح الباری کتاب الجنائز) اس لئے ہماری مذکورہ بالا تفصیل ہی معقول ومناسب ہے۔

نماز جنازہ میں فاتحہ کے ساتھ دوسری سورہ ملانے کا مسئلہ

امام نسائی نے کہا کہ:

" اخبرنا الهيثم بن ايوب عن ابراهيم بن سعد بن عبد الرحمن بن عوف الزهرى حدثنا ابى عن طلحة بن عبد الله قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرء بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى اسمعنا فلما فرغ اخذت بيده فسألته فقال سنة وحق " یعنی طلحہ بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی تو موصوف ابن عباس نے بالجہر سورہ فاتحہ اور ایک دوسری سورت کی قرأت کی موصوف ابن عباس کی قرأت اسقدر جہری اور زور سے تھی کہ ہم سب کو وہ قرأت سنائی دے رہی تھی پھر موصوف جب نماز جنازہ پڑھا کر فارغ ہوئے تو میں نے ان کا ہاتھ تھام کر اس سلسلے میں پوچھا جس کا جواب ابن عباس نے یہ دیا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورت کا پڑھنا اور زور وجہر سے پڑھنا دستور نبوی اور حق وصحیح بات ہے" (سندہ صحیح، صحیح نسائی للالبانی نمبر ۱۸۷۸، ۱۸۷۹، ج ۲ ص ۴۲۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹، کتاب الام للشافعی ج ۱ ص ۲۳۹، شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۸، المحلی لابن حزم ج ۵ ص ۱۲۹، الجوہر النقی ج ۴ ص ۳۸)

مذکورہ بالا حدیث امام ابن الجارود نے بسند صحیح اس طرح نقل کی ہے کہ:

" عن زيد بن طلحة التيمى سمعت ابن عباس قرء على جنازة فاتحة الكتاب وسورة وجهر بالقرأة وقال انما جهرت لاعلمكم انها سنة " (المنتقی لابن الجارود بسند صحیح ص ۲۶۴ والمنتقی لابن تیمیہ ج ۲ ص ۸۷ وقال رواہ

البخاری وابوداؤد والنسائی والترمذی وقال صحیح وکذلک قالہ النووی)

مذکورہ بالا دونوں صحیح سندوں سے مروی شدہ حدیث مزید دوسری معتبر سندوں سے بظاہر مختلف الفاظ کے ساتھ ورنہ حقیقۃً ایک ہی معنی کے ساتھ مروی ومنقول ہے اور اس کا واضح مفاد ہے کہ عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ کے ساتھ مزید ایک سورہ کا شامل کر لینا سنت نبویہ ہے۔

اگر تحقیق کے ساتھ اس قسم کی روایات پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز جنازہ میں عام نمازوں کی طرح سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ دوسری سورہ کا ملا کر پڑھنا متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دوسرے امور کی طرح نماز جنازہ میں بھی اس طریق نبوی پر عمل کرے اور طریق نبوی سے انحراف کر کے دوسرا راستہ نہ اختیار کرے۔

امام نماز میں قرأت بالجہر کرے

نماز جنازہ سے متعلق وارد شدہ عام روایات کا ظاہری معنی یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ امام کی حیثیت سے سورہ فاتحہ ودیگر سورہ کی قرأت بالجہر کرتے تھے نیز دوسری تکبیروں میں درود ودعائیں بھی بالجہر ہی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ سے سن ہی کر یہ ساری باتیں سیکھیں اور یاد کیں۔

حضرت ابن عباس سے مذکورہ بالا جو دونوں صحیح روایتیں ہم نے نقل کی ہیں اور ان کی ہم معنی دوسری سندوں سے بھی یہ روایت منقول ومروی ہے ان میں یہ صراحت بھی ہے کہ سوہ فاتحہ ودیگر سوررہ کا پڑھنا جہر کے ساتھ مسنون ہے دراصل ہمارے نزدیک قرأت بالجہر کی بات کو ابن عباس اور دیگر صحابہ نے سنت کہا ہے ورنہ نفس سورہ فاتحہ اور درود ودعا کا پڑھنا اس نماز میں فرض ہے اور جب جہری قرأت امام کے لئے اس نماز میں سنت ہے تو اس کے خلاف بھی عمل کر کے سری قرأت بھی کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مسنون چیز کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک

تمام روایات میں تطبیق کی یہی صورت ہے اور اس کتاب میں ہمارا طریق اختصار ہے اس لئے ہم زیادہ تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔

امام دار قطنی نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف تک پہنچنے والی ایک معتبر سند کے ساتھ نقل کیا کہ:

" عن عبيد السباق صلى بنا سهل بن حنيف على جنازة فلما كبر تكبيرة الاولى قرء بام القرآن حتى اسمع من خلفه قال ثم تابعه تكبيرة على بقية تكبيرة واحدة تشهد الصلوة ثم كبر و انصرف " یعنی عبید بن سباق نے کہا کہ ہم کو سہل بن حنیف صحابی نے نماز جنازہ پڑھائی تو تکبیر تحریمہ کے بعد موصوف نے بالجہر سوہ فاتحہ پڑھائی پھر تکبیریں کہیں اور آخر میں درود پڑھا اور تکبیر کہہ کے نماز ختم کر دی" (سنن دار قطنی ج ا ص ۱۹۱ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۳۹)

اس سے بھی صاف طور پر ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نماز جنازہ پڑھتے تو امام جہر کے ساتھ قرأت کرتا تھا۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ:

" اتى بجنازة فتقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقرء بام القرآن فجهر بها ثم كبر الثانية فدعا للميت الحديث" یعنی ایک جنازہ لایا گیا رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے آگے بڑھ گئے اور بالجہر سورہ فاتحہ پڑھی پھر دوسری تکبیر کہہ کر میت کے لئے دعائیں کیں الخ (معجم اوسط للطبرانی، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

اس روایت کے سلسلے میں امام ہیثمی نے کہا کہ اس کی سند میں واقع یحیی بن یزید بن عبد الملک نوفلی راوی ضعیف ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ موصوف یحیی مطلقا ضعیف نہیں ہیں بعض ائمہ فن نے ان کی توثیق بھی کی ہے یعنی کہ موصوف مختلف فیہ ہیں جیسا کہ لسان المیزان میں موصوف کے ترجمہ سے واضح ہوتا ہے ثانیا اس روایت کے معنوی متابع و شواہد بہت سے ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث معتبر قرار پاتی ہے۔ البتہ یحیی

نوفلی نے جس راوی سے اسے نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے۔ بعض روایات میں جو سر الامام کے قرأت کرنے کا ذکر آیا ہے اس کی توجیہ ہماری طرف سے گذر چکی ہے۔ ہم اس سلسلے میں صرف اسی قدر بات پر اکتفا کرتے ہیں! البتہ ایک بات یہاں قاضی شیخ الاسلام ثناء اللہ پانی پتی کی نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سے متعلق نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے متعلق قاضی ثناء اللہ کی وصیت

ہندوستان کے مشہور و معروف فقیہ و مفتی، مفسر و محدث، حنفی المذہب اور صوفی المشرب عالم دین و حافظ قرآن مجید قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی مولود ۱۱۴۳ھ متوفی ۱۲۲۵ھ ہمارے اپنے ملک اور بیرون ملک میں اہل اسلام کے یہاں بہت عظمت و شہرت رکھتے ہیں موصوف مشہور ولی اللہ شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ کے خاندان کے روشن چراغ تھے۔ موصوف مشہور ہندوستانی عالم و صوفی شیخ مرزا جاں جاناں حبیب اللہ مظہر شہید کے خاص الخاص تلامذہ میں سے تھے۔ اسی بنا پر اپنی لکھی ہوئی مبسوط تفسیر قرآن مجید کا نام موصوف نے "التفسیر المظہری" رکھا یہ تفسیر دس ضخیم جلدوں میں مطبوع شکل میں موجود ہے۔ موصوف کو شاہ ولی اللہ خاندان میں بڑی اہمیت حاصل تھی اور حقیقت یہ ہے کہ موصوف مسلک و مشرب کے اعتبار سے بھی مسلک شاہ ولی اللہی سے زیادہ قرب رکھتے تھے شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ موصوف قاضی ثناء اللہؒ کو بیہقی وقت کہا کرتے تھے۔ موصوف کی بہت ساری کتابیں ہیں جن میں سے تفسیر مظہری کے علاوہ ارشاد الطالبین، تذکرۃ الموتی والقبور، تذکرۃ المعاد، حقوق الاسلام وغیرہ زیادہ معروف و مشہور ہے (تذکرہ علمائے حدیث ہند، نزہۃ الخواطر وغیرہ) موصوف نے اپنی عمر کے اواخر میں وفات سے تھوڑے دنوں پہلے ایک وصیت نامہ تحریر کیا تھا جو موصوف کی لکھی ہوئی مشہور درسی کتاب "مالابد منہ" کے ساتھ منسلک ہے۔ موصوف قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس وصیت نامہ

میں فرماتے ہیں کہ:
"نوع اول آنست کہ در تجہیز و تکفین و غسل و دفن رعایت سنت کنند و در تکفین نمایندہ و عمامہ خلاف چادر رزائی کہ حضرت ایشاں شہید عنایت فرمودہ بودند سنت است ضرور نیست و نماز جنازہ بجماعت کثیرہ و امام صالح مثل حافظ محمد علی یا حکیم سکھو (غلام معین الدین) یا حافظ پیر محمد بجا آرند و بعد تکبیر اولی سورۂ فاتحہ ہم خوانند و بعد مردن من رسوم ہندی مثل دہم و بستم و چہلم و شش ماہی و برسینی ہیچ نہ کند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند حرام ساختہ اند الخ (وصیت نامہ از قاضی ثناء اللہ پانی پتی منسلک بہ مالا بہ منہ مطبوعہ ۱۹۵۶ء دہلی ص ۱۴۵) یعنی اس وصیت نامہ میں میری پہلی بات یہ ہے کہ تجہیز و تکفین اور غسل و تدفین کے سبھی امور میں سنت نبویہ کو ملحوظ رکھا جائے اور دو چادریں جو مجھے میرے شیخ طریقت استاذ محترم مرزا مظہر جان جاناں نے عنایت فرمائی تھیں مجھے انہیں دونوں چادروں میں کفن دیا جائے اور میرے کفن میں عمامہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ خلاف سنت ہے اور میری نماز جنازہ جماعت کثیرہ کے ساتھ پڑھی جائے اور میری نماز جنازہ کا امام صالح آدمی مثلا حافظ محمد علی یا حکیم غلام معین الدین عرف حافظ سکھو یا حافظ پیر محمد میں سے کوئی صاحب ہونا چاہئے اور تکبیر تحریمہ کے بعد میری نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ بھی پڑھیں اور میری وفات کے بعد دنیاوی رسوم میں سے کوئی رسم نہ کریں مثلا دسواں، ال چالیسواں، چھ ماہی اور برسی وغیرہ نہ کریں کیونکہ آپ ﷺ نے تین دن سے زیادہ ماتم و سوگ کو حرام قرار دیا ہے الخ"

اپنے اس وصیت نامہ میں موصوف قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے نہایت واضح طور پر فرمان نبوی و حکم شرعی کے مطابق حنفی المذہب ہونے کے باوجود سورہ فاتحہ پڑھنے کی تاکید اپنی نماز جنازہ میں کی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے مشہور حنفی المذہب اہل علم مثلا حافظ محمد علی و حکیم سکھو و حافظ پیر محمد وغیرہ نماز

جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک حنفی مذہب پر قائم رہتے ہوئے بھی فقہ حنفی کے خلاف سنت ثابتہ اور احادیث معتبرہ پر عمل کو ترجیح حاصل ہے موصوف قاضی صاحبؒ نے اپنے شیخ طریقت اور استاذ مرزا مظہر جان جاناں کی عنایت کردہ چادروں میں تکفین کی جو وصیت کی ہے وہ حدیث نبوی سے ثابت ہے صحیح بخاری اور متعدد کتب حدیث میں سہل بن سعد صحابی سے مروی ہے کہ ایک انصاریہ خاتون اپنے ہاتھوں سے بن کر ایک چادر خدمت نبویہ میں ہدیہ کرنے آئیں جسے ایک صحابی نے اس مقصد کے لئے آپ ﷺ سے مانگ لیا کہ اسے اپنا کفن بنائیں نبی ﷺ نے اس صحابی کے اس طرز عمل پر کوئی نکیر نہیں کی (صحیح البخاری مع فتح الباری کتاب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیہ ج ۳ ص ۱۴۳ حدیث نمبر ۱۲۷۷، عام کتب حدیث)

نیز آپ ﷺ نے اپنی فوت ہو جانے والی ایک صاحب زادی کو اپنی طرف سے ایک کپڑا کفن میں استعمال کرنے کے لئے دیا تھا (صحیح البخاری مع فتح الباری باب غسل المیت ووضوءہ بالماء والسدر ج ۳ ص ۱۲۵ وعام کتب حدیث صحیح بخاری میں یہ حدیث کئی مقامات پر آئی ہوئی ہے۔ حالانکہ کفن کی ذمہ داری میت کے ورثہ پر ہے۔

قاضی ثناء اللہ موصوفؒ نے اپنے اس وصیت نامہ میں صراحت کی ہے کہ میری اس وصیت پر جو لوگ عمل نہ کریں گے میں بروز قیامت ان کا دامن گیر ہوں گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کو بہت زیادہ ضروری سمجھتے تھے یہی حال قاضی صاحب کے استاد مرزا مظہر جان جاناں کا بھی تھا۔

حدیث میں ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو کفن میں عمامہ نہیں دیا گیا تھا (صحیح بخاری میں یہ حدیث مختلف مقامات پر کئی سندوں سے منقول ہے اور دوسری کتب حدیث میں بھی)

متواتر المعنی حدیث نبوی میں ہے کہ جنازہ میں جتنے زیادہ لوگ میت کے لئے

دعائے خیر کریں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ اسی مناسبت سے قاضی موصوف نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ جماعت کثیرہ کے ساتھ پڑھی جائے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے وصیت نامہ میں قاضی موصوف نے مردہ کے لئے دسواں، بیسواں اور چہلم وغیرہ جیسی رسوم کو دنیاوی رسوم کہا ہے یعنی کہ ان رسوم کا کوئی تعلق دین سے نہیں اور یہ نو ایجاد چیزیں ہیں جو اتباع ہنود و مشرکین میں اختراع کی گئی ہیں انہیں انجام دینا ضلالت و گمراہی ہے۔

اپنے وصیت نامہ کے اوائل میں قاضی صاحب موصوف نے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے اظہار عقیدت کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ شیخ جیلانی نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا ضروری قرار دیا ہے۔ احناف خصوصا بریلوی لوگ شیخ جیلانی سے عقیدت کا دم بہت بھرتے ہیں اور ہر سال ان کی گیارہویں شریف مناتے ہیں جو سراسر بدعت وضلالت ہے مگر موصوف کے اتباع سنت والے طریق پر یہ لوگ نہیں چلتے نہ نماز جنازہ میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں نہ نماز پنجگانہ میں نہ مسنون نمازوں میں نہ نفلی نمازوں میں۔ امام کے پیچھے ان تمام نمازوں میں یہ لوگ سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے اور نماز جنازہ میں تو ان کے امام لوگ بھی فاتحہ نہیں پڑھتے۔ اس شرعی حکم پر عمل سے اعراض وانحراف کے باوصف فاتحہ کے نام سے مردوں کے لئے بہت ساری بدعات پر مشتمل فاتحہ کی خود ساختہ رسم ضرور مناتے ہیں جو بتصریح نبوی جہنم رسید کرنے والی رسم ہے شریعت میں نئی باتوں کی ایجاد بہر حال بہت زیادہ مبغوض ومذموم اور قبیح چیز ہے اس کی مذمت پر عہد نبوی سے لے کر آج تک ساری امت متفق ہے حتی کہ وہ لوگ بھی اس سے متفق ہیں جو بدعات کی ایجاد واختراع کو اپنا کاروبار اور وظیرہ بنائے ہوئے ہیں اور بدعات کے مذموم ہونے کے لئے یہ بات بہت کافی ہے کہ بدعات کے گرویدہ لوگ بھی بدعات کی مذمت پر متفق ہیں۔

ہر مسلمان کو سب سے زیادہ عقیدت ومحبت اللہ ورسول اور ان کے احکام

وفرامین سے ہونی چاہئے اور ان کے بتلائے ہوئے طریق پر چلنے کا جذبہ وذوق بھی ہونا چاہئے ان کے موافق جن اسلاف کا عمل ہو ان کے طریق پر ہم کو چلنا چاہئے فرمان نبوی "ما انا علیہ و اصحابی " کا یہی معنی ومطلب ہے۔

نماز جنازہ میں درود کا موقع ومحل

یہ معلوم ہے کہ نماز جنازہ میں رکوع وسجدہ مشروع نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ عام نمازوں میں قرأت فاتحہ وسورہ کے بعد رکوع پھر سجدہ ہوتا ہے اور دوسری رکعت میں سجدہ کے بعد تشہد ہوا کرتا ہے چونکہ نماز جنازہ میں رکوع وسجود مشروع نہیں اس لئے نماز جنازہ میں قرأت سے فارغ ہوکر دوسری تکبیر کہی جاتی ہے پھر درود پڑھا جاتا ہے یعنی کہ نماز جنازہ میں درود پڑھنے کی وہی ترتیب ہے جو عام نمازوں میں ہے البتہ عام نمازوں کی طرح جنازہ میں رکوع وسجود مشروع نہیں اور سجدوں کے بعد درود پڑھا جاتا ہے تو رکوع وسجود حذف کرنے کے بعد درود ہی پڑھنے کی باری ہے عام روایات سے یہی بات ظاہر بھی ہوتی ہے۔ درود کے بغیر نہ پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز صحیح ہو سکتی ہے نہ مسنون ونفل نمازوں میں سے کوئی نماز صحیح ہوتی ہے اسی طرح نماز جنازہ کا معاملہ بھی ہے کہ عام نمازوں کی طرح اس میں درود کا پڑھنا فرض ہے۔ قرآنی آیت " ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما " (پ ۲۲ صورہ الاحزاب ۵۶) یعنی اللہ اور اس کے فرشتے نبی (ﷺ) پر درود ودعائے رحمت) بھیجتے ہیں تو اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود بھیجو اور اچھی طرح سلام بھی کہو" کا اصل موقع ومحل نمازیں ہی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ حنفی مذہب میں نمازوں میں درود کا پڑھنا فرض نہیں صرف مسنون ومستحب ہے۔ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں کہ نماز جنازہ سمیت کوئی بھی نماز ہمارے رسول ﷺ نے درود کے بغیر پڑھی ہو۔

متعدد روایات سے نماز جنازہ میں درود پڑھنے کا حکم بصیغۂ امر وارد ہوا ہے جو

وجوب پر دلالت کرتا ہے اور متعدد روایات کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سورہ فاتحہ کی طرح درود بھی نماز جنازہ میں بالجہر ہی پڑھتے تھے۔

ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ دوسری تکبیر کے بعد نماز جنازہ میں امام درود بالجہر پڑھے اور مقتدی لوگ سورہ فاتحہ کی طرح امام کے پیچھے درود سرا پڑھا کریں۔ درود کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز جنازہ یا عام نمازوں میں سلام پھرنے سے پہلے اور درود کے بعد جو دعائیں میت کے حق میں یا اپنے حق میں پڑھی جاتی ہیں ان کی مقبولیت کا سامان ہو جاتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ درود کے بغیر دعا مقبول نہیں ہوگی (تحفۃ الذاکرین میں اس کی تفصیل موجود ہے) جس طرح عام نمازوں میں سلام پھیرنے سے پہلے درود کے بعد دعائیں پڑھنے کا ذکر ہے اسی طرح نماز جنازہ میں بھی ہے درود کے بعد تیسری تکبیر کہی جائے اور اسی میں دعائیں پڑھی جائیں۔ نماز جنازہ میں میت کے لئے خصوصی طور پر دعائے مغفرت نہایت خلوص کے ساتھ ہونی چاہیئے جیسا کی اس معنی و مفہوم کی بعض روایات کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے اور اختصار کے پیش نظر ہم مزید تفصیل اس سلسلے میں پیش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔

نماز جنازہ میں دعا کا موقع و محل

یہ دعا امام بالجہر پڑھے:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ قرأت کے بعد دوسری تکبیر کہہ کر امام بالجہر درود پڑھے پھر تیسری تکبیر کہہ کر میت کے لئے خصوصی دعائے مغفرت کرے۔ امام طبرانی نے اس سلسلے میں اپنی کتاب الدعا میں کئی روایات نقل کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الدعاء للطبرانی ج ۳ ص ۱۳۴۸ تا ص ۱۳۶۰)

امام مسلم اپنی صحیح میں ناقل ہیں کہ:

" عن عوف بن مالك الاشجعي قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم وصلى على جنازة يقول اللهم اغفر له وارحمه واعف عنه وعافه الخ

یعنی عوف بن مالک اشجعی نے کہا کہ میں نے ایک جنازہ کی نماز میں نبی ﷺ کو یہ دعائے مغفرت کرتے ہوئے سنا اللھم اغفرلہ ارحمہ الخ" (صحیح مسلم مع شرح نووی ابواب الجنائز ج۱ ص۳۱۱ و سنن نسائی)

اس حدیث صحیح سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نماز جنازہ میں میت کے لئے پڑھی جانے والی دعائیں بھی بالجہر پڑھا کرتے تھے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع صحابی سے مروی ہے:

" صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رجل من المسلمین فسمعته یقول اللھم ان فلان بن فلان فی ذمتك وحبل جوارك فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اهل الوفاء والحمد الھم فاغفر له وارحمه وانك انت الغفور الرحیم " یعنی آپ ﷺ نے ایک مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھی تو اس میں آپ ﷺ نے میت کے لئے پڑھی جانے والی مذکورہ دعا کو بالجہر پڑھا جسے میں نے سنا"
(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ، عون المعبود ج۸ ص۵۰۰، سنن بیہقی ج۴ ص۴۳)

امام سعید بن مسیّب نے کہا کہ:

" صلیت وراء ابی هریرة علی صبی لم یعمل خطئیة قط فسمعته یقول اللھم اعذه من عذاب القبر " یعنی میں نے حضرت ابوہریرہ کے پیچھے ایک بے گناہ معصوم بچے کی نماز جنازہ پڑھی۔ میں نے حضرت ابوہریرہ کو اس بچے کے لئے یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ " اللھم اعذه من عذاب القبر " (رواہ مالک فی موطاہ)

مذکورہ روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے رسول ﷺ اور صحابہ کا موقف یہ تھا کہ نماز جنازہ میں امام میت کے لئے دعائیں بھی بالجہر پڑھے۔ نیز یہ کہ میت کے لئے کوئی خاص قسم کی دعا نہیں مقرر ہے مختلف دعائیں حسب مواقع آپ ﷺ اور صحابہ پڑھا کرتے تھے۔ اس معنی و مفہوم کی روایات بہت سی ہیں مگر بنظر اختصار ہم صرف انہیں کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔

یہ معلوم ہے کہ ہمارے رسول ﷺ نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ " صلو کما رایتمونی اصلی " مجھے جس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھو اسی طرح تم بھی نماز پڑھو۔ لہذا امام کو آپ ﷺ ہی کی طرح بالجہر دعاء نماز جنازہ میں پڑھنی چاہئے۔ البتہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بعض صحابہ امام کی حیثیت سے سورہ فاتحہ ودرود دعا بالسر پڑھا کرتے تھے اور اسی کو سنت کہا کرتے تھے لہذا جو لوگ امام کے لئے سر اان امور کا پڑھنا ہی مناسب سمجھتے ہوں انہیں اس کا اختیار ہے۔

تنبیہ

ہمارے یہاں خاص طور پر احناف میں نماز جنازہ کے لئے میت کے واسطے دعائے مغفرت کے سلسلے میں جس دعا کو پڑھنے کا رواج عام ہے یعنی اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدنا الخ وہ ابو ابراہیم اشہلی نامی ایک راوی سے بھی بایں طور مروی ہے کہ:

" حدثنی ابی انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی الصلوۃ علی المیت اللھم اغفر لحینا ومیتنا الخ یعنی دعائے مذکور کو نماز جنازہ میں ہمارے رسول ﷺ بالجہر پڑھا کرتے تھے جسے صحابیٔ مذکور نے دوران نماز جنازہ آپ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج ۸ ص ۵۰۰ وسنن نسائی وجامع ترمذی وسنن بیہقی ج ۴ ص ۴۰، ۴۱ وقال الترمذی حدیث صحیح)

ابو ابراہیم اشہلی کو حافظ ابن حجر نے اپنی اصطلاح کے مطابق مقبول کہا ہے جب کہ اور لوگوں نے موصوف کی نقل کردہ اس حدیث کو صحیح کہا ہے حافظ ابن حجر کی بات کا مطلب یہ ہے کہ ابو ابراہیم والی اس حدیث کا متابع وشاہد ملنے کی صورت میں حدیث مذکور معتبر وحجت ہوگی اور اس کی معنوی متابعت موجود ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری سے بسند صحیح مروی ہے کہ موصوف نے بھی رسول اللہ ﷺ کو دعائے مذکور نماز جنازہ میں بالجہر پڑھتے ہوئے سنا تھا (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۱ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جس دعا کو عام طور سے احناف اور بہت سارے اہل

حدیث نماز جنازہ میں پڑھنے پڑھانے کا معمول رکھتے ہیں وہ دعا ہمارے رسول ﷺ نماز جنازہ میں بالجہر پڑھا کرتے تھے۔ اس معاملہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں کوئی موقف اختیار کرنا چاہئے ویسے ہم عرض کر چکے ہیں کہ اگر پنجگانہ نمازوں میں سے کسی جہری نماز میں امام نے سری قرأت کی تو بھی نماز ہو جائے گی۔

جہر سے نماز جنازہ میں میت کے لئے دعائے مغفرت کا آپ ﷺ سے پڑھنا اتنی زیادہ اور معتبر سندوں کے ساتھ منقول ہے جن کا انکار نا ممکن ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے دعائے مغفرت بالجہر پڑھی تو سورہ فاتحہ و درود کا بھی بالجہر پڑھنا جن روایات سے ظاہر ہوتا ہے وہ روایات اپنی جگہ پر معتبر ہیں اور بالجہر پڑھنے کے مسنون ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

نماز جنازہ میں سلام پھیرنے کا مسئلہ

ہمارے نزدیک راجح یہ ہے کہ نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اکتفا کیا جائے۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ ہم انسانوں کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز جنازہ چار تکبیروں کے ساتھ پڑھی گئی تھی اور اس موقع پر فرشتوں نے اولاد آدم کو خطاب کر کے بتلا دیا تھا کہ " ھذہ سنتکم فی موتاکم " یعنی مردوں پر نماز جنازہ اسی طرح سے پڑھنی چاہئے۔ عہد نبوی میں اگرچہ بعض اوقات آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے چار تکبیروں سے زیادہ کے ساتھ بھی نماز جنازہ پڑھی اور وفات نبوی کے بعد بھی اس پر کبھی کبھار بعض صحابہ کسی مناسبت سے چار تکبیروں سے زیادہ نماز جنازہ میں تکبیریں کہتے تھے اور ہر زائد تکبیر میں کوئی نہ کوئی دعا ماثور دعاؤں میں سے پڑھتے تھے مگر ذخیرہ احادیث پر گہری نظر ڈالنے سے مستفاد ہوتا ہے کہ اواخر میں آپ ﷺ نماز جنازہ میں صرف چار تکبیروں پر اکتفا کرنے لگے تھے۔ شاہ حبشہ نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ۹ھ میں یا اس کے بعد اواخر عہد نبوی میں پڑھی گئی تھی اور متواتر المعنی حدیث سے ثابت ہے کہ اس غائبانہ نماز جنازہ میں آپ

اور زندگی میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام والی نماز جنازہ میں کہی گئی تکبیروں ہی پر اکتفا کرنے لگے تھے اور آپ ﷺ کے بعد عام صحابہ کا بھی عمل اسی طرح رہا پھر بھی اگر کسی موقع سے کوئی چار سے زیادہ تکبیریں نماز جنازہ میں کہے تو ہم منع بھی نہیں کرتے کیونکہ اس کے منسوخ ہونے پر کوئی واضح وصریح دلیل نہیں اور وفات نبوی کے بعد بعض صحابہ کے عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات منسوخ نہیں ہوئی ہے۔

ﷺ نے چار ہی تکبیروں پر اکتفا کیا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں آپ ﷺ

چوتھی تکبیر یا آخری تکبیر کے بعد بلا کچھ پڑھے اور بلا توقف نماز جنازہ کو ختم کرتے ہوئے سلام پھیر دینا چاہئے۔ چار تکبیروں سے کم پر نماز جنازہ میں اکتفا کرنا دلیل شرعی سے ثابت نہیں۔ صحیح البخاری باب التکبیر علی الجنائز مع فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۲ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت انس بن مالک نے بھول کر تین ہی تکبیروں پر سلام پھیر دیا تو پھر سے چوتھی تکبیر کہہ کر سلام پھیرا۔

مشہور و معروف حدیث نبوی ہے کہ :

" مفتاح الصلوۃ الطھور وتحریمھا التکبیر وتحلیلھا التسلیم " یعنی نماز کی کلید طہارت ہے (مراد وضو ہے اور اگر جنابت ہو تو غسل کر کے حصول طہارت لازم و ضروری ہے) اس کے بغیر کوئی بھی نماز صحیح نہیں ہوگی اور اس کا تحریمہ یعنی نماز میں داخل ہونے کا ذریعہ تکبیر ہے اور نماز سے فارغ ہونے اور اس سے نکلنے کا ذریعہ سلام پھیرنا ہے (رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی وابن ماجہ عن علی بن ابی طالب مرفوعا وسندہ صحیح)

اس فرمان نبوی میں نماز جنازہ بھی داخل ہے کہ اس نماز سے فراغت سلام پھیر کر ہوگی۔ بعض اسلاف سے مروی ہے کہ " یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما " والے فرمان ربانی میں " وسلمواتسلیما " سے مراد نماز سے فارغ ہوتے وقت پھیرے جانے والا سلام ہے (تفسیر کبیر للرازی سورہ احزاب) اس تفسیر

کے اعتبار سے نماز سے فراغت کے لئے سلام کا پھیرنا فرض قرار پاتا ہے اگرچہ متواتر المعنی احادیث نبویہ سے بھی یہی بات مستفاد ہوتی ہے اور ان سب باتوں کا حاصل یہ ہے کہ نماز سے فراغت کے لئے سلام کا کوئی دوسرا بدل نہیں ہے۔ کسی بھی شرعی دلیل سے سلام کا بدل ثابت نہیں ہے اس لئے اور نمازوں کی طرح نماز جنازہ سے فراغت کے لئے چوتھی تکبیر کے بعد ہی متصلا کچھ پڑھے بغیر سلام پھیرنا چاہئے۔ اس کے بغیر نماز جنازہ صحیح نہیں ہوگی۔

نماز جنازہ میں بالجہر سلام پھیرنے کا مسئلہ

یہ معلوم ومعروف بات ہے کہ جماعت سے پڑھی جانے والی عام نمازوں میں امام سلام بالجہر پھیرتا ہے اس کے لئے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کے الفاظ احادیث میں منقول ہیں اس اعتبار سے نماز جنازہ میں بھی امام کو بالجہر ہی سلام پھیرنا چاہئے اور یہ بات عام احایث سے ثابت ہے مگر ابوامامہ والی معروف حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ سلام امام کو سراہی پھیرنا چاہئے لیکن ہمارے نزدیک بعض رواۃ نے اس روایت کے کچھ الفاظ میں تقدیم وتاخیر کر دی ہے جس سے بظاہر اس کا یہ مفہوم محسوس ہونے لگتا ہے۔ موصوف ابوامامہ کی روایت میں سراپڑھی جانے والی باتوں کا تعلق سلام سے پہلے والی قرأت فاتحہ ودرودودعائیں ہیں اس لفظ کا تعلق وربط سلام سے نہیں ہے۔

امام طبرانی وبیہقی ناقل ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

" ثلاث خلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفعلهن تركهن الناس احداهن التسليم على الجنازة مثل التسليم فى الصلوة " یعنی تین کام رسول اللہ ﷺ کیا کرتے تھے جن کو لوگوں نے اس زمانہ میں چھوڑ رکھا ہے ان تینوں میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آپ ﷺ نماز جنازہ میں اسی طرح سلام پھیرتے تھے جس طرح عام پنجگانہ نمازوں میں پھیرا کرتے تھے" (سنن بیہقی مع الجوہر النقی ج ۴ ص ۴۳ ومعجم کبیر للطبرانی)

امام نووی نے اس حدیث کی سند کو "جید" کہا ہے اور امام ہیثمی نے "رجالہ ثقات" کہا ہے، علامہ ناصر الدین البانی نے "حسن" کہا ہے (مجموع للنووی ج ۵ ص ۲۳۹، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴، احکام الجنائز وبدعاتہا للالبانی ص ۱۲۷)

- مذکورہ بالا بات کے بیان کرنے والے حضرت ابن مسعود سے صحیح مسلم وغیر میں مروی ہے کہ:

" ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یسلم تسلمتین فی الصلوۃ "
یعنی نبی ﷺ نماز میں دو سلام داہنی طرف اور بائیں طرف پھیرا کرتے تھے" (صحیح مسلم ابواب الصلوۃ)

یہ معلوم ہے کہ جماعت سے پڑھی جانے والی نماز میں ہمارے رسول ﷺ دونوں طرف بالجہر سلام پھیرا کرتے تھے۔ جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں بھی آپ ﷺ بالجہر دونوں طرف سلام پھیرا کرتے تھے۔ اس میں حضرت ابن مسعود نے صراحت کر رکھی ہے کہ اس سنت نبویہ کو عام طور پر لوگوں نے ترک کر رکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد ابن مسعود ہی میں نماز جنازہ میں بالجہر دونوں طرف سلام پھیرنے والی سنت سے لوگوں میں کوتاہی ہونے لگی تھی۔ اس لئے ہمارا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ نماز جنازہ میں امام بالجہر دونوں طرف سلام پھیرے اصل طریق سلام نماز جنازہ میں ہمارے نزدیک یہی ہے۔ لیکن یہ چونکہ سنت ہے اس لئے اس کا التزام فرض نہیں اس کے خلاف اگر کسی نے ایک ہی سلام پر اکتفا کیا تو بھی بلا کراہت نماز صحیح ہو جائے گی۔

امام نافع سے مروی ہے کہ:

" ان ابن عمر کا اذا صلی علی الجنائز یسلم حتی یسمع من یلیہ "
یعنی حضرت ابن عمر جب نماز جنازہ پڑھاتے تو سلام بالجہر پھیرتے تھے کہ قریب کے لوگ سن لیتے تھے" (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۴)

اس حدیث کی سند کو علامہ البانی نے صحیح کہا ہے (احکام الجنائز للالبانی ص ۱۳۰

ابراہیم ہجری نے کہا کہ:

" امنا عبد الله بن ابی اوفی علی جنازة ابنته فکبر اربعا الی أن قال ثم سلم عن یمینه وعن شماله وقال هکذا صنع رسول الله صلی الله علیه وسلم" یعنی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے اپنی امامت میں ہمیں اپنی بیٹی کی نماز جنازہ پڑھائی تو موصوف ابن ابی اوفی نے آخری تکبیر کے بعد داہنے طرف بھی سلام پھیرا اور بائیں طرف بھی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے" (سنن بیہقی ج ۴ ص ۴۳ والغیلانیات لابی بکر الشافعی کما قال فی عون المعبود ج ۸ ص ۵۱۴)

مذکورہ بالا حدیث اگرچہ امام ابن ماجہ وحاکم واحمد نے بھی نقل کی ہے مگر ان لوگوں کی روایت میں "سلم" کے بعد" عن یمینه وعن شماله" نہیں ہے مگر ان کی اس روایت کو بیہقی والی روایت کا ملخص و مختصر مان لینا لازم ہے یعنی کہ روایت ابن ماجہ وحاکم واحمد، بیہقی والی روایت کا اختصار و ملخص ہے کیونکہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مفصل وطویل بات کو بعض اوقات آدمی مختصرا بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ لہذا یہ روایت بھی اس بات کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں معمول نبوی دونوں طرف سلام پھیرنے کا تھا نیز اسے ابن مسعود والی حدیث پر محمول کرتے ہوئے اس بات کی دلیل بھی قرار دینا چاہئے کہ آپ ﷺ جنازہ میں دونوں طرف بالجہر سلام پھیرا کرتے تھے۔

لیکن اس روایت کی سند پر کلام ہے اگرچہ اسے امام حاکم نے "صحیح" کہا ہے مگر امام ذہبی نے حاکم کی کتاب مستدرک کی تلخیص میں اس کے راوی ابراہیم ہجری کی بابت کہا کہ "ضعفوا ابراهیم" (تلخیص المستدرک للذہبی مع مستدرک ج ۱ ص ۳۶۰) علامہ البانی نے کہا کہ بقول ذہبی موصوف ابراہیم ہجری کو لوگوں نے سوء حفظ کی بنا پر ضعف قرار دیا ہے اور اس بات کی طرف حافظ ابن حجر نے اشارہ کرتے ہوئے موصوف کو" لین الحدیث " کہا اور مزید کہا کہ " رفع موقوفات " موصوف

سوء حفظ کی بنا پر لین تھے بنابریں موقوف روایات کو مرفوعا بیان کر دیا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر نے یہ بات تقریب التہذیب میں کہی ہے جس میں موصوف نے اپنی معلومات کی حد تک " اعدل الاقوال " لکھنے کا التزام کیا ہے اور موصوف ابراہیم ہجری کا مفصل ترجمہ دیکھ کر ہر آدمی اس نتیجہ پر پہنچے گا جس کا مطلب یہ ہوا کہ متابع و شواہد ملنے پر موصوف ہجری کی روایت معتبر و قابل استدلال ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضرت ابن مسعود والی مرفوع حکمی حدیث نیز ابن عمر والی مذکورہ بالا موقوف روایت اس کی معنوی متابع و شاہد ہیں لہذا یہ روایت اپنے متابع و شواہد سے مل کر معتبر ہے اور اس چیز کی دلیل ہے کہ نماز جنازہ میں امام کو دونوں طرف بالجہر سلام پھیرنا چاہیے کیونکہ ہجری والی اس روایت میں اگرچہ بالجہر سلام پھیرنے کی صراحت نہیں ہے مگر اس عدم صراحت کو ابن مسعود والی روایت نیز اس کی ہم معنی دوسری روایات پر محمول کیا جائے گا۔ اس کی تائید ابو موسی اشعری سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ " فسلم عن یمینه وشماله " یعنی آپ ﷺ نے نماز جنازہ میں دونوں طرف سلام پھیرا (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۴ بحوالہ اوسط للطبرانی)۔

جابر بن زید سے ایک روایت یہ منقول ہے کہ:

" سلم فی الجنازة تسلیمة اولها عن یمینه وآخرها عن شماله "
یعنی موصوف جابر نے نماز جنازہ میں ایک سلام داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف امام کی حیثیت سے پھیرا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۷)

پھر اسی سند کے ساتھ موصوف سے یہ بھی مروی ہے کہ:

" فسلم تسلیمة فاسمع علی الجنازة " یعنی موصوف جابر نے جنازہ کی نماز پڑھائی تو بالجہر سلام پھیرا جسے لوگوں نے سنا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۳۰۷)
پہلی والی روایت میں بالجہر سلام پھیرنے کی صراحت نہیں ہے مگر چونکہ دوسری والی میں اس کی صراحت ہے اس لئے اسے جہری والی روایت پر محمول کیا جائے

گا اسی طرح پہلی والی روایت میں دونوں طرف سلام پھیرنے کی صراحت ہے اور دوسری والی میں نہیں ہے مگر دوسری والی کو پہلی والی پر محمول کیا جائے گا جس کا حاصل یہ ہے کہ موصوف جابر نے نماز جنازہ میں دونوں طرف بالجہر سلام پھیرا۔ دوسری والی روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ موصوف جابر نے صرف ایک ہی سلام پھیرا تھا اور اس میں صراحت نہیں کہ یہ ایک سلام کس طرف پھیرا داہنی طرف یا بائیں طرف یا داہنی بائیں طرف کے بجائے قبلہ رو کھڑے سلام پھیر دیا مگر چونکہ پہلی والی روایت میں اسکی صراحت ہے اس لئے اسے پہلی والی روایت پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرفوع و موقوف روایات میں جو "تسلیمۃ" کا لفظ آیا ہوا ہے اور ان میں جہر کی صراحت نہیں ہے انہیں دونوں سلام اور جہر پر محمول کیا جائے گا الا یہ کہ جس روایت میں صراحت کے ساتھ کہدیا گیا ہو کہ دو سلام کے بجائے ایک ہی پر اکتفا کیا گیا اور جہر کے بجائے سر سے سلام کیا گیا۔ اس اصول سے بہت سی روایات کو معنوی و حقیقی اختلاف و تعارض سے بچایا جا سکتا ہے اور ایسی صورت میں ان روایات کو محمول کیا جائے کہ بعض حضرات بعض روایات کے مطابق ایک ہی سلام پر یا یہ کہ جہر کے بجائے سر پر عمل پیرا تھے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے پیش نظر عبد اللہ بن ابی اوفی سے جو یہ مروی ہے کہ عطاء بن سائب نے کہا کہ:

" عن عطاء بن السائب رأيت ابن ابى اوفى صلى على جنازة فسلم تسليمة " (مسائل ابی داؤد عن احمد ص ۱۵۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف ابن ابی اوفی نے دونوں طرف سلام جہر کے ساتھ پھیرا کیونکہ موصوف سے مروی شدہ دوسری روایت میں دو سلام پھیرنے کی صراحت ہے اور جابر بن زید والی دو روایتوں میں جو صورت تطبیق ہم نے بتلائی ہے وہی اس میں بھی اختیار کرنی چاہیے اور اسے جہر پر محمول کئے جانے کی توجیہ بھی ہم نے بیان

کردی ہے علامہ البانی نے لفظ ''تسلیمۃ'' کا معنی اس کے ظاہر کے مطابق ایک سلام سمجھا ہے اسی لئے موصوف نے عطاء بن السائب والی اس روایت کو نقل کرنے کے ساتھ بین القوسین ''واحدۃ'' کا لفظ بڑھادیا ہے (ملاحظہ ہو موصوف علامہ البانی کی کتاب احکام الجنائز ص ۱۲۸)

مگر ہماری بیان کردہ تفصیل کے مطابق اس کا یہ مطلب بتلائے بغیر مذکورہ بالا روایت ہجری پر اسے محمول کرنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں عطا بن السائب والی روایت کے ایک راوی جراح بن ملیح کو علامہ البانی نے ضعیف قرار دیکر صراحت کی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جراح بن ملیح پر بعض ائمہ جرح کی بہت سخت تجرتح ہے حتی کہ بعض نے موصوف کو وضاع وکذاب تک کہا ہے اور موصوف جراح نے روایت مذکورہ جس عطاء سے نقل کی ہے وہ آخری عمر میں مختلط ہو کر ساقط الاعتبار ہو گئے تھے دریں صورت مختلط وساقط الاعتبار راوی سے جراح جیسے مجروح راوی کی نقل کردہ روایت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور بشرط اعتبار اس کی توجیہ ہم نے بیان کر دی ہے۔

ان سب امور کے باوجود بعض روایات سے آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے عام صحابہؓ کا عام نمازوں کی طرح نماز جنازہ میں بھی ایک سلام پر اکتفا کرنا ثابت ہے اس لئے ایک سلام پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے لیکن یہ معلوم ہے کہ سلام بھی ایک دعا ہے اور دعا بڑے کار خیر و ثواب میں سے ہے بلکہ بعض احادیث کے مطابق دعا کو عبادت کہا گیا ہے اور ثواب و عبادت و کار خیر والے کام جتنے بھی زیادہ کئے جائیں اتنے ہی زیادہ بہتر ہیں بشرطیکہ انہیں کرنے کی حد نہ مقرر ہو اور سلام نمازوں میں دو سے زیادہ مرتبہ منقول وماثور ومروی نہیں اس لئے ایک سلام پر اکتفا کرنے کے بالمقابل دو سلام پر عمل پیرا ہونا زیادہ بہتر اور اچھا ہے۔ مگر دو سے زیادہ اس وجہ سے جائز ودرست نہیں کہ عمل متوارث ومشاہدہ واجماع کے خلاف ہے۔

غائبانہ نماز جنازہ کے موضوع پر لکھی گئی اپنی اسی کتاب میں ہم نے نماز جنازہ سے متعلق اتنے سارے مسائل پر اس لئے بحث کی ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ کی ادائیگی بالکل حاضرانہ نماز جنازہ ہی کی طرح ہوا کرتی ہے۔

یہ معلوم و معروف حقیقت ہے کہ نماز جنازہ زندہ و مردہ، عورت و مرد، چھوٹے بڑے تمام ہی مسلمانوں کے لئے دعاؤں پر اور ذکر الٰہی پر مشتمل ہوتی ہے اور شریعت کا حکم ہے کہ تمام مسلمان تمام گذرے ہوئے فوت شدہ اور زندہ اور آنے والے مسلمانوں کے لئے دعائے خیر خصوصی دعائے مغفرت و دعائے عفو کرتے رہیں اور اپنے لئے بھی۔ سابق انبیائے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی یہ کام کرتے رہتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کا اتباع کرنے والے اہل اسلام بھی اپنے اپنے زمانہ میں یہ کار خیر کرتے رہے ہیں۔ دین اسلام اور ملت واحدہ یعنی مذہب توحید پر تمام لوگ انسان کے مورث اعلیٰ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیکر بعثت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے تک قائم رہے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی شدہ حدیث سے ثابت ہے (مستدرک حاکم) یعنی کہ لوگوں میں توحید کے خلاف عقائد شرک و کفر پیدا ہونے کے بعد لوگوں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے دنیا میں اللہ کی طرف سے بھیجے گئے سب سے پہلے رسول و نبی حضرت نوح علیہ السلام تھے اور ان کی دعاؤں میں یہ دعا بھی شامل رہی کہ:

" رب اغفر لی ولوالدی ولمن دخل بیتی مومنا وللمومنین والمومنات " (پ۲۹ سورہ نوح: ۲۸) اے میرے رب! تو مجھے اور میرے والدین اور میرے گھر میں داخل ہونے والے ہر مومن اور سارے کے سارے مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت کردے"

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی کہ:

" ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب " (پ۱۳ سورہ

ابراہیم: ۱ ۴) یعنی اے ہمارے رب! تو مجھے اور میرے والدین اور سارے کے سارے مومنوں کی بروز قیامت مغفرت کردے"

اللہ تعالی نے تمام مومنوں کا یہ شیوہ و شعار بتلایا ہے کہ وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ:

" ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انك رؤف رحیم " (پ۲۸ سورۃ الحشر: ۱۰) اے ہمارے رب! ہمارے لئے اور ہم سے پہلے ایمان لانے والے ہمارے بھائیوں کی مغفرت فرمادے اور مومنوں کے خلاف ہمارے دلوں میں بغض و کینہ و عداوت نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے رب بیشک تو بہت مہربان اور رحیم ہے۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ دعاؤں خصوصا مومنوں کے لئے طلب مغفرت پر مشتمل نماز جنازہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہی کے زمانہ سے مشروع ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام مومنوں کے لئے دعاؤں کو خصوصا طلب مغفرت پر مشتمل نماز جنازہ تمام فوت ہو جانے والے مسلمانوں پر پڑھا کرتے تھے۔

تنبیہ بلیغ اول

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے پہلے فوت ہونے والے صحابہ پر نماز جنازہ پڑھنے کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ملتا ہے اس کی ایک وجہ ہماری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ نماز جنازہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے جماعت کے بغیر کسی بھی نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہمارے رسول ﷺ سے نہیں ملتا ہے اور علامہ ناصر الدین البانی نے جماعت کا ہونا نماز جنازہ کے لئے فرض قرار دیا ہے (احکام الجنائز ص۹۷) چونکہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں غلبہ کفار کے باعث علی الاعلان جماعت سے کسی بھی نماز کا پڑھنا مشکل تھا اگر آپ ﷺ جماعت سے کوئی نماز پڑھتے بھی تھے

توخفیہ طور پر اس لئے ہجرت سے پہلے فوت ہونے والے صحابہ کی نماز جنازہ کا پڑھنا آپ ﷺ سے منقول نہیں مگر یہ اس چیز کے منافی نہیں کہ آپ نے عام نمازوں کی طرح خفیہ طور پر نماز جنازہ بھی ان فوت ہونے والے صحابہ کے لئے نہ پڑھی ہو۔

تنبیہ بلیغ ثانی

غیر مسلم وغیر مومن کی نماز جنازہ اور اس کے لئے دعائے مغفرت سے شریعت نے اہل اسلام کو پوری تاکید کے ساتھ منع کیا ہے اس لئے جس کا غیر مومن وغیر مسلم ہونا ظاہر ہو اس کے لئے نہ نماز جنازہ پڑھنی چاہئے اور نہ دعائے مغفرت کرنی چاہئے بعض مطلب پرست اور ابن الوقت لوگوں کا طرز عمل اس حکم شرعی کے خلاف ہے حتی کہ بعض لوگ غیر مسلم وزراء وامراء کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی تک کر ڈالتے ہیں یہ دینی غیرت نہ ہونے کے سبب اور مطلب پرستی وخود غرضی وابن الوقتی کی بنا پر ہے۔

تیسری تنبیہ بلیغ

ہمارے نزدیک راجح وصحیح موقف یہی ہے کہ نماز جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع الیدین کیا جائے ہمارے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی حنفی المذہب بھائیوں کا موقف وتعامل یہ ہے کہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا جائے مگر جن امام ابو حنیفہ کا مقلد یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں ان سے منقول ہے کہ ہر تکبیر پر نماز جنازہ میں رفع الیدین کرنا چاہئے۔ حنفی مذہب کے مشہور ومعروف ترجمان وشارح وفقیہ امام سرخسی نے اپنی کتاب "المبسوط" ج ۲ ص ۶۴ میں اور حافظ ابن حزم نے المحلی ج ۵ ص ۸۳ میں اسکی صراحت کی ہے۔ اس پر بعض احناف کی نکیر بے معنی وبے وزن ہے۔ بعض لوگوں نے مندرجہ ذیل حدیث سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز جنازہ کی

باقی تکبیروں میں رفع الیدین کے غیر مشروع ہونے پر استدلال کیا ہے:

" عن ابی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه سلم كبر على جنازة فرفع يديه فی اولی تکبیره ووضع اليمنى على اليسرى " یعنی ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے پہلی تکبیر یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کیا اور بائیں ہاتھ پر داہنا ہاتھ رکھا (مراد سینہ پر دونوں ہاتھوں کو باندھ لیا" (ترمذی ج ۲ ص ۱۶۵ و سنن دار قطنی ج ۱ ص ۱۹۲ و سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۸ و طبقات الاصبہانین لابی الشیخ ص ۲۶۲)

اولاً اس روایت میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی تکبیرات جنازہ میں رفع الیدین کی نفی نہیں ہے اسلئے اس سے موقف مذکور پر استدلال صحیح نہیں ثانیاً یہ روایت باعتراف علامہ ناصر الدین البانی ضعیف ہے ثالثاً حدیث مذکور نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیروں میں اثبات رفع الیدین کرنے والی روایات کے موافق ہے مخالف نہیں۔ رابعاً اسے اپنے موقف پر دلیل سمجھتے ہوئے جن لوگوں نے ابن عباس کی طرف منسوب اس روایت کو اس کا متابع کہا ہے ان لوگوں کی پیش کردہ روایت ابن عباس کا ساقط الاعتبار ہونا ہم اس کتاب کے ص ۵۴ تا ۵۶ میں واضح کر چکے ہیں۔

چوتھی تنبیہ بلیغ

یہ معلوم ہے کہ اسلام میں سارے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اسلئے تمام مسلمانوں کو دوسرے امور دینیہ کی طرح نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین میں صحیح و خالص نیت کا رکھنا لازم ہے اور میت کے لئے پوری ہمدردی و غم گساری کے ساتھ دعائے مغفرت و دعائے خیر کرنے کے ساتھ تمام ہی مسلمانوں کے لئے بھی خلوص نیت کے ساتھ ہمدردی ہونی ضروری ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم کو تمام امور میں خلوص نیت اور حق پرستی و حق پسندی کی توفیق دے۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم ۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

خاکسار محمد رئیس ندوی

جامعہ سلفیہ بنارس

۹/اگست ۱۹۹۳ء